مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبال کے ایماء اور قائداعظم کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ــــــــــــــ لاہور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25۔ بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

عنوان	مصنف	صفحہ
لمعات	ادارہ	2
قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے	شعیب حسین (ملائشیاء)	6
قرآنی فکر کا ایک خاموش لیکن فعال مبلغ چوہدری منیر احمد مرحوم	محمد عمر دراز (لاہور)	8
بھنگی	محمد اسلام رانا (ڈنمارک)	12
وادی نمل کی ہشیار ملکہ	علامہ رحمت اللہ طارق (ملتان)	17
مغرب کی ثقافتی یلغار	عبدالغفور انجم	30
حقیقتیں اور افسانے	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (لاہور)	36
Human Relationship In Islam.	ڈاکٹر میر مصطفیٰ حسین (بھارت)	57
Life After Death.	ڈاکٹر سید عبدالودود (لاہور)	63

انتظامیہ:۔ چیئرمین: ایاز حسین انصاری۔ ناظم: محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری۔ مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر۔
ناشر: عطاالرحمٰن ارائیں
طابع: خالد منصور نسیم۔ مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت: B-25 گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 49۔ شمارہ 10۔ اکتوبر 1996ء
بدل اشتراک
ایشیاء، افریقہ، یورپ 550 روپے
آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا 750 روپے
اندرون ملک فی پرچہ 10 روپے سالانہ 120 روپے
جنوری 1997ء سے زرشرکت میں تبدیلی کی جارہی ہے۔
تفصیلات اندر کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

یوں تو اُنچاس سال کے عرصہ میں وہ کونسا دَور تھا جس میں پاکستان کی حالت اَبتر نہیں ہوئی تھی لیکن جس قسم کی تباہی موجودہ عہد میں نمودار ہوئی ہے' اس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ یہ اُس سیلاب کی طرح آئی ہے جس کے متعلق قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ **ظھرالفساد فی البرو البحر** خشکی اور تری سب میں فساد پھیل گیا۔ زمین کا کوئی گوشہ' کوئی کونہ' کوئی کھدرا ایسا نہیں رہا جس تک اِس طوفان کی تلاطم خیزیاں نہ پہنچ چکی ہوں۔ اس میں قانون اور ضابطے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے ہیں۔ اخلاقی اقدار کا ریگِ ساحل تک بھی نشان باقی نہیں رہا۔ شرف و مجدِ انسانیت اس طرح غرق ہوگئے ہیں کہ نہ ان کا کہیں جنازہ اُٹھا ہے نہ مزار تعمیر ہوا ہے۔ جس طرح سیلابِ بے پناہ کے سامنے نہ مسجد باقی رہتی ہے نہ مندر' نہ گھر محفوظ رہتا ہے نہ باہر' نہ حیوان زندہ رہتے ہیں نہ انسان' نہ آبادیاں نظر آتی ہیں نہ اُن کی طرف جانے والے راستے' وہی حالت اس بدنصیب ملک کی ہوگئی ہے۔ جو بچے کھچے شریف انسان ان تباہیوں کے بھنور میں پھنس گئے ہیں انہیں غُنڈہ گردی کے مگرمچھ زِندہ نگل لینے کے لئے چاروں طرف سے ہجوم کرکے بڑھے چلے آرہے ہیں۔ جو لاچار پناہ لینے کے لئے درختوں پر چڑھ گئے ہیں' بدقماشی کے اژدہے ڈسنے کے لئے اُن کا بھی پیچھا کر رہے ہیں۔ غرضیکہ عزّت و آبرو کے خواہاں شریف انسانوں پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو رہی ہے' نہ عورتیں گھروں میں محفوظ ہیں' نہ بچیاں درسگاہوں میں مامون' نہ مسافروں کو بے خوف و خطر گھر آنے کی اُمید ہوتی ہے' نہ گھروں میں سونے والوں کو صحیح سلامت جاگ اُٹھنے کی توقع۔ سوچنے والے سر پکڑ کر بیٹھے ہیں کہ گولی کھانے سے پہلے کم از کم اتنا تو معلوم ہوجائے کہ یہ گولی کہاں سے آئی ہے اور اِس کے پیچھے کون سا ہاتھ ہے۔ غنڈہ گردی یہاں پہلے بھی ہوتی تھی لیکن وہ چند افراد تک محدود تھی۔ اوباش نوجوان یہاں پہلے بھی پھرتے تھے لیکن وہ اپنی پیشانیوں سے پہچانے جاتے تھے۔ مجرم یہاں پہلے بھی اِرتکابِ جُرم کرتے تھے لیکن ان کا شمار مستثنیات (EXCEPTIONS) میں ہوتا تھا۔ مگر اب تو کیفیت یہ

ہوگئی ہے کہ شریف انسان معاشرہ کے مستثنیات میں سے ہوگئے ہیں اور وہ بھی اِس طرح ڈرے سہمے رہتے ہیں کہ کوئی کسی کو بتا نہ دے کہ یہاں کوئی شریف آدمی رہتا ہے۔

دہشت گردوں اور سماج دشمن عناصر کے حوصلے اس قدر بلند اور ہاتھ اس قدر لمبے ہوچکے ہیں کہ گھر تو گھر حسّاس علاقے تک اُن کی دست بُرد سے محفوظ نہیں رہے۔ قومی املاک کی نیلامی ایک طرف حکومت نے لگا رکھی ہے تو دوسری طرف جو جس کے حیطۂ اختیار میں ہے' بیچے چلا جارہا ہے' کوئی پوچھنے والا نہیں۔ واپڈا ملازمین کُھلے عام بجلی فروخت کرکے اپنی جیبیں بھر رہے ہیں، کسی کو احساس تک نہیں۔ کارپوریشن ملازمین نے سرکاری زمین حتیٰ کہ سڑکیں گذرگاہیں' باغات اور پارک تک ٹھیکے پر چڑھا رکھے ہیں۔ تھانے سرِعام بکتے ہیں۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ چوک کھلے بندوں نیلام ہوتے ہیں۔ لہریں گننے والے بھی کسی نہ کسی طور دہاڑی بنا ہی لیتے ہیں۔ حکومت کو گلہ ہے کہ عوام ٹیکس نہیں دیتے۔ عوام پوچھتی ہے کہ ٹیکس کیوں دیں؟ ٹیکس کے بدلے وہ کونسی سی سہولت ہے جو بلا معاوضہ مہیا کی جاتی ہے؟ تحفظ مانگو تو پیسے نکالو۔ کسی باغ میں جاؤ تو ٹکٹ لو۔ پل پر سے گذرو تو ٹوکن بھرو' سڑک پر چلو تو دام کے ساتھ جان بھی دو۔ ایک حکومت ہی کیا یہاں تو جو جس جگہ بیٹھا ہے دھڑلّے سے اپنا ٹیکس وصول کر رہا ہے۔ جگّے' دادے اور تھڑیئے تو مفت میں بدنام ہیں۔ کہا جائے گا کہ یہ سب ہمارا ہی کیا دھرا ہے نہ ہم ایسے حکمرانوں کو ووٹ دیتے نہ اِس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا۔ ہوسکتا ہے یہ کسی حد تک درست ہو لیکن اس کا کیا علاج کہ ہمارے ووٹوں سے منتخب ہونے والے اچھے لوگ بھی نمک کی اس کان میں پہنچ کر نمک ہوگئے۔ جناب حنیف رامے صاحب کی مثال ہمارے سامنے ہے جنہوں نے اگلے روز عوامی فورم کے ایک ٹی وی پروگرام میں فرمایا کہ نہ میں سرمایہ دار ہوں نہ جاگیردار' سیاست میں میرے بار بار آنے کا مقصد یہ رہا ہے کہ میں غریب عوام کی آواز بن سکوں۔ رامے صاحب لاہور کے حلقہ شالامار ٹاؤن سے کھڑے ہوئے تھے۔ لاہور میں پیپلز پارٹی بری طرح پٹ رہی تھی۔ اعتزاز احسن جیسے طاقتور اُمیدوار شکست سے دوچار ہوچکے تھے۔ عوام نے پیپلزپارٹی ہی کے پرچم بردار جناب حنیف رامے صاحب کو اپنے اعتماد سے اس لئے نوازا کہ

رائے صاحب اپنے سینے میں ایک ادیب کا حسّاس دل رکھتے ہیں' لہٰذا اُن سے بڑھ کر اس علاقے کا خیر خواہ اور کون ہوسکتا ہے۔ رائے صاحب منتخب ہوئے اور پنجاب اسمبلی کے سپیکر بن گئے۔ علاقے نے گھی کے چراغ جلائے لیکن چشمِ فلک نے جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل اخبارات میں شائع ہوچکی ہے۔ رائے صاحب کا علاقہ جس میں الیکشن کے بعد انہوں نے قدم رنجہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی شہر کے پس ماندہ ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ یہاں نہ کوئی پارک ہے نہ تفریح گاہ۔ لوگ پانی کی ایک ایک بوند کو ترس رہے ہیں بلکہ شنید ہے کہ پانی کی قلت بھی رائے صاحب ہی کی پیدا کردہ ہے۔

ہمیں ذاتیات سے کبھی واسطہ نہیں رہا لیکن بتانا یہ مقصود ہے کہ جمہوری نظام میں اکیلا چنا بھاڑ نہیں ڈھا سکتا چاہے وہ رائے صاحب کا درد دل لے کر کیوں نہ سریر آرائے اقتدار ہو۔ ہمارے ہاں جمہوریت میں عوام کے ساتھ پارٹی کا تعلق الیکشن کے ایام تک محدود ہوتا ہے اس کے بعد پارٹی کے مقاصد ہوتے ہیں یا پارٹی لیڈروں کے مفادات۔ ہم نہ برسرِاقتدار پارٹی کو اس کے وعدے یاد کرانے میں کوئی بہتری پاتے ہیں نہ انہیں کوئی مشورہ دینا ہمارا مقام ہے ہاں البتہ قرآن کریم کی یہ وعید ان کے گوش گذار کرنے کی جسارت ضرور کریں گے کہ جس سے بڑھ کر سچی بات کوئی اور ہو نہیں سکتی۔

سورہ محمد کی آیت 38 میں فرمان خداوندی ہے

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ (47:38)

اگر تم نے (اپنے وعدوں سے) روگردانی کی تو ہم تمہاری جگہ ایک دوسرے لوگ قوم لے آئیں گے۔ جو پھر تمہارے طرح کے نہیں ہوں گے۔

ہمارے بہت سے کرمفرماؤں کا زرشرکت دسمبر 1996ء میں ختم ہورہا ہے۔ ان سے التماس ہے وہ اگلے سال کے لئے تجدید' دسمبر 96ء سے پہلے کروالیں۔ مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شعیب حسین (لاہور)

قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں؟

(کنونشن 95ء میں بزم مذاکرہ میں پڑھا جانے والا ایک مضمون)

جناب صدر !

انسان اور حیوان میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان کو عقل اور فکر کی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے جبکہ حیوان عقل اور فکر سے عاری ہوتا ہے۔

انسان کے سامنے جب بھی کوئی معاملہ آتا ہے تو انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ عقل وبصیرت کی روشنی میں غور و فکر سے مسئلہ کا حل تلاش کرے۔ اس کے برعکس حیوان کے مقصد کے راستے میں جب بھی کوئی موانعات آتے ہیں تو اس کے جذبات میں شدت آجاتی ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ وہ اڑیل پن اور ہنگامہ آرائی پر اتر آتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہی نہیں۔ تاریخ انسانی پر غور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کی باہمی کش مکش یعنی عقول کی جنگ (Battle of Wits) مسلسل چلی آرہی ہے۔ جو زیادہ عقل مند تھے وہ کم فہم اور کم عقل لوگوں کو اپنے دامِ تدبیر میں لے آئے اور اس طرح جہان معیشت میں وہ ان داتا بن بیٹھے۔ یہی وہ نظام ہے جس کی رو سے انسانوں کی عقل و فکر کے چراغ گل کئے جاتے ہیں۔ اسے مذہب کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جی ہاں مذہب !

مذہب نجات حاصل کرنے کے ذریعے کا ہی نام نہیں یہ تو مذہب کا ایک گوشہ ہے۔ ہر وہ نظام جو عقل و فکر کی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے انسانوں کے کسی گروہ کو تابع فرمان بنائے گا مذہب کہلائے گا۔

اور خدائی دین کا اس نظام کے خلاف چیلنج ہے۔ اور سب سے پہلے اعلان کیا جاتا ہے۔

ما کان لبشر ان یوتیه الله الکتاب و الحکم و النبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله...... (3/78)

یعنی کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے خواہ اسے حکومت اور نبوت بھی حاصل کیوں نہ ہو کہ وہ دوسرے انسانوں سے کہے کہ تم اللہ کے نہیں، بلکہ میرے محکوم اور فرماں بردار بن جاؤ۔

جب دنیائے انسانیت میں انقلاب آئے گا تو وہ سب سے پہلے اصل بنیاد کو پکڑے گا اور ان برفانی سلوں کو اٹھا کر پھینک دے گا جن کے نیچے عقل و شعور کو دبا کر مفلوج و بیکار کر دیا گیا تھا۔

قرآن کریم نے حضور اکرمؐ کی بعثت کا

مقصد یہ بتایا ہے کہ

ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم ○ (7/157)

اس کا مفہوم یہ ہی بتایا گیا ہے کہ وہ ! انسانوں کو ان شکنجوں سے آزاد کر کے ایسا انتظام کر دے گا کہ ان کی فکری صلاحیتیں نشوونما پاتی ہوئی بلند سے بلند تر ہوتی جائیں گی۔ تاکہ کوئی انسان دوسرے انسان کو محکوم و مطیع کر کے ان کی محنت کو غصب نہ کر سکے !

آیئے آج قرآن مقدس کو اٹھا کر دیکھیں جس کے ورق ورق پر عقل و شعور کی اہمیت اور فہم و فراست کی عظمت تابندہ حروف میں لکھی ہوئی ہے !

آیئے آج بتاتے چلیں کہ جہنم کی آگ کے مستحق کون سے لوگ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لھم قلوب لا یفقھون بھا جو سینے میں دل تو رکھتے ہیں مگر عقل و فکر سے کام نہیں لیتے !

ولھم اعین لا یبصرون بھا جو آنکھیں تو رکھتے ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔

ولھم اذان لا یسمعون بھا جو کان تو رکھتے ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے

اولیک کالا نعام.... یہ لوگ انسان نہیں حیوانات کے مانند ہوتے ہیں۔

بل ھم اضل .... بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ !

اولئک ھم الغفلون (7/179) اس لئے کہ یہ لوگ علم رکھنے کے باوجود بے خبر اور بے علم رہتے ہیں۔

پس ! قرآن کریم نے ثابت کر دیا کہ کسی بھی چیز کی بھی قوم کی بھی طبقے کی تعمیر ہنگامہ آرائی یعنی جذباتیت سے نہیں ہو سکتی اور کسی طرح بھی ایسا ممکن نہیں۔

اگر ہمیں اپنی قوم کی تعمیر و ترقی کے لیے کچھ کرنا ہے تو آیئے آج مل بیٹھیں کیونکہ آج مل بیٹھنے کی ضرورت ہے اور مل کر ملک و ملت اور اپنی قوم کی تعمیر کے لیے عقل و فکر کے چراغ روشن کریں کیونکہ قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں !

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

آل انڈیا مسلم کانفرنس 1932ء کے اجلاس میں اقبالؒ قوم کی اس ہنگامہ خیز جذباتیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قوم کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ ایک طرف سے ہمارے کان میں یہ آواز آتی ہے کہ

"اگر ان حالات میں، ہمارے لیڈروں نے، قوم کے لئے کوئی متعین راہ عمل اختیار نہ کی تو اس وقت دوسروں کی نقالی سے جو کچھ کیا جا رہا ہے، وہ رنگ لا کر رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قوم کا نوجوان طبقہ حوادث زمانہ کے سیل بے پناہ میں بلا سوچے سمجھے کود پڑے گا۔"

تو دوسری طرف سے، ایک نوجوان، انتہائی جوش و خروش میں، یہ کہتا ہوا آگے بڑھتا ہے کہ

"عمل کے لئے کسی متعین راستے اور سوچے سمجھے منصوبے کی ضرورت نہیں۔ یہ سبق درسگاہوں کی منطق میں نہیں پڑھایا جا سکتا۔ یہ جذبہ دل کی گہرائیوں سے ابھر کر فضا میں پھیل جاتا ہے تو

اپنی منطق آپ مرتب کر لیتا ہے۔"
اس کے بعد، اقبالؒ فرماتے ہیں۔
"ان شورش انگیزیوں میں آپ نے اس اجتماع کی صدارت کے لئے ایک مفکر کا انتخاب کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ آپ کو اس حقیقت کا احساس ہوا ہے کہ ایسے وقت میں قوم کو ایک مفکر کی ضرورت ہے---- اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جس قوم میں فکری صلاحیت نہیں رہتی، وہ قوم تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔"

اقبالؒ کی یہ آواز بظاہر قوم کی ہنگامہ آرائیوں کے نقار خانہ میں گم ہو کر رہ گئی، لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ،

(NO TRUE VOICE IS EVER LOST)

حق کی آواز کبھی صدا بصحرا ثابت نہیں ہوتی

اور اس کی مثال تحریک پاکستان ! جی ہاں ! ہماری ہزار سالہ تاریخ میں یہ پہلی سیاسی تحریک تھی جس میں ہنگامہ آرائی اور شورش انگیزی کا شائبہ تک نہ تھا۔ جو قرآنی فکر کی روشنی میں، سکوت دریا میں بط کی سی خاموشی کے ساتھ، جانب ساحل رواں دواں چلی جا رہی تھی-- مانند کہکشاں بگریبان مرغزار ____ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دس سال کی قلیل ترین مدت میں، ایک قطرہ خون بہائے بغیر !______ حتیٰ کہ کسی کو ایک گالی دیئے بغیر--- پاکستان کی صورت میں وسیع و عریض مملکت حاصل کر لی گئی اور اس طرح ثابت کر کے دکھا دیا کہ قوموں کی تعمیر، فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں۔ اور اس قسم کی فکری تحریکیں ان قائدین کے ہاتھوں پروان چڑھتی ہیں، جن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز!
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

آیئے !

اپنی فکری اور عقلی صلاحیتوں کو بیدار کریں۔ آج اس بات کی جتنی ہمیں ضرورت ہے اتنی کسی اور قوم کو نہیں۔ کیونکہ جس نظام کو قرآن مقدس نے چیلنج کیا ہے وہ نظام فرعونیت ہے۔ ہر طرف حیوانیت کا دور دورہ ہے ہر کوئی دوسرے کی فکری صلاحیتوں کو مفلوج کر کے ان پر بھاری سلیں رکھ دینا چاہتا ہے خدارا اپنی فکری اور عقلی صلاحیتوں کو اجاگر کیجئے اور ان بھاری اور برفانی سلوں کو توڑ دیجئے جنہوں نے ہماری فکر اور سوچ کو مفلوج کر دیا ہے۔ اپنی فکر اور سوچ کو بیدار کیجئے کیونکہ

قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!

آزادئی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادئی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنی فکر کا ایک خاموش لیکن فعال مبلغ۔ چوہدری منیر احمد مرحوم

کسی بھی رفیع الشان عمارت پر نگاہ ڈالئے! اس کا حسن و جمال اور عظمت و رفعت' ہر چشم بینا کو دعوت نظارہ دیتا اور ہر صاحب ذوق سے اس دماغ کی صلاحیتوں کی داد چاہتا' جس نے اس کا نقشہ بنایا اور اس معمار کی صناعی پر خراج تحسین وصول کرتا نظر آئے گا جس کے دست حسن آفریں نے اسے یہ دلربا شکل عطا کی۔ لیکن شاید ہی نظارہ کرنے والوں میں سے کسی کا خیال' بنیاد کی ان دبی اور چھپی اینٹوں کی طرف بھی جاتا ہو جنہوں نے حسن و رعنائی کے اس عظیم الجثہ پیکر کا تمام بوجھ اپنے اوپر اٹھا رکھا ہے۔

تحریک طلوع اسلام ابتداء " (1938ء میں) اس لئے وجود پذیر ہوئی کہ حصول پاکستان کی ملی جنگ کے دوران قوم کو بتائے کہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ نظام زندگی' "الاسلام" کو ایک جیتے جاگتے پیکر کی صورت میں متشکل کرنے کے لئے ایک آزاد اور خود مختار مملکت کا حصول کیوں ضروری ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد' اس تحریک نے اپنے اوپر یہ انتہائی اہم فریضہ عائد کرلیا کہ اب ملت پاکستانیہ کے سامنے اس قرآنی نظام کے نقوش اجاگر کرے جس کے نفاذ اور استحکام کے لئے یہ مملکت حاصل کی گئی تھی۔ مملکت پاکستان کا قیام' اس تحریک کے مقاصد کی حقانیت اور اس کی مساعی کی کامیابیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس تحریک کے' قیام پاکستان کے دور اول میں اس کے مقاصد کے حصول میں' ان گنت لوگوں نے' اس کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کو' دین اسلام کی صحیح اور درست تعبیر جان کر اس کا ساتھ دیا اور اسے عامتہ الناس تک پہنچانے میں اپنی اپنی استطاعت اور توفیق کے مطابق مساعی جمیلہ کیں اور کر رہے ہیں۔ ان وابستگان فکر قرآنی کی اکثریت' ان احباب کی ہے جنہیں ہم سب جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اچھی خاصی تعداد' ان قابل صد تحسین احباب کی بھی ہے' جنہوں نے بنیاد کی اینٹوں کی طرح' ظاہربیں نگاہوں سے اوجھل رہ کر' اس فکر کو اس طرح عام کیا کہ اس کی بازگشت اکثر' غیر مانوس حلقوں سے سنائی دیتی رہتی ہے۔ بنیاد کی انہی اینٹوں میں سے ایک' چوہدری منیر احمدؒ صاحب کی شخصیت بھی تھی جو بانیٔ تحریک سے انتہائی قرابت داری کے علاوہ' پرویزؒ صاحب کی پیش کردہ قرآنی فکر کے پیغام رساں بھی تھے۔ آپ چند سال اودھر نیشنل بنک آف پاکستان کے نہایت اعلیٰ عہدے سے ریٹائر ہوئے اور ریٹائرمنٹ کے بعد بظاہر وہ ٹاؤن شپ لاہور کے سیکٹر B-1 میں 48/10 (اکبر چوک) پر خاموشی سے زندگی گذار رہے تھے لیکن بباطن اس فکر کے اور بھی زیادہ فعال مبلغ بن گئے تھے۔ آپ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے ابتدائی اراکین میں سے بھی تھے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے' موقر روزنامہ نوائے وقت لاہور نے' پرویزؒ صاحب کے معرکہ آراء خطابات "کیا قائداعظمؒ پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟" اور "حسن کردار کا نقش تابندہ" من و عن شائع کرکے نہ صرف اپنے قارئین کو اس فکر سے متعارف کرایا بلکہ مملکت پاکستان کے جواز و قیام کو اس کے شفاف اور مصفا چہرے کے ساتھ قوم تک پہنچایا۔ نوائے وقت میں ان مقالات کی اشاعت' چوہدری منیر احمد مرحوم ہی کی مساعی جمیلہ کا ثمر شیریں تھا۔

چونکہ ان کا تعلق' وزارت مالیات ہی کے ایک شعبہ سے تھا اور اپنے پیشہ وارانہ فرائض کی انجام دہی میں ان کی ملاقاتیں حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر فائز اصحاب سے بھی اکثر رہتی تھیں' اس لئے جب بھی وہ کسی متعلقہ اعلیٰ افسر سے ملتے' تو اس ملاقات کی یادگار کے طور پر اس تک پرویزؒ صاحب کی کوئی نہ کوئی کتاب ضرور پہنچا آتے۔ یہ کتابیں عام طور پر قرآنی نظام ربوبیت' انسان نے کیا سوچا؟' معراج انسانیت اور شاہکار رسالت ہی ہوتیں اور وہ یہ سب کچھ اپنے وسائل ہی سے کرتے۔

ملک میں اس وقت' امن و امان کی جو مجموعی صورت حال ہے' 4 ستمبر 1996ء کی شام' وہ بھی اس کا شکار ہوگئے۔ چوہدری صاحب' اس شام اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ' قریبی فیصل ٹاؤن مارکیٹ میں' ضروریات زندگی کی خرید کی غرض سے گئے۔ گاڑی کار پارک میں کھڑی کی' بیٹیاں اتر کر قریبی پلازہ کی ایک دکان میں گئیں اور چوہدری صاحب پچھلی سیٹ پر بیٹھے رہے۔ اتنے میں اس کھلی مارکیٹ کے کار پارک میں گولیاں چلنی شروع ہوگئیں اور ایک گولی چوہدری صاحب کے چہرے پر لگتی ہوئی دماغ میں پیوست ہوگئی۔ انہیں اتنا موقع بھی نہیں ملا کہ حفاظت کی غرض سے نیچے ہی ہوسکیں۔ کار کو دیکھنے سے یوں لگتا ہے جیسے ان کی کار کو اوٹ بنا کر دونوں جانب سے گولیاں چلائی گئی ہوں۔ گولیوں کی آواز سن کر دونوں بیٹیاں باہر کی جانب لپکیں اور کار تک پہنچیں تو اپنے والد محترم کو خون میں لت پت دیکھا۔ ایک بیٹی نے باپ کے ساتھ بیٹھ کر انہیں سنبھالا اور دوسری نے تیزی کے ساتھ کار کو نکالا اور طبی امداد کی جانب بڑھی۔ یہ یقیناً" اللہ

تعالیٰ ہی کا عطا کردہ حوصلہ تھا جو ایسے حالات میں بھی بچیوں کے اوسان خطا نہیں ہوئے اور انہوں نے طبی امداد کے حصول کو ترجیح دی۔ راستے میں پولیس نے روکا مگر انہوں نے التجا کی کہ ان کے والد کو ہسپتال پہنچانا ہر کاروائی سے زیادہ ضروری ہے۔ وہ پہلے ایک قریبی پرائیویٹ ہسپتال میں پہنچیں جہاں سے انہیں فوری طبی امداد بہم پہنچانے سے انکار کردیا گیا چنانچہ وہ سرعت کے ساتھ جناح ہسپتال پہنچیں اور سٹریچر پر چوہدری صاحب کو اندر لے گئیں۔ انہیں بتایا گیا کہ ان کے والد وہاں پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ چکے ہیں۔ مرحوم کو 5 ستمبر 1996ء' ان کے آبائی قبرستان' واقعہ فیصل نگر لاہور میں دفن کردیا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ جان ماری نیورو سرجن ڈاکٹر بشیر کے اغواکنندگان کے ساتھ پولیس مقابلہ کے نتیجہ میں ہوئی تھی۔

کھلی مارکیٹ کے کھلے پارک میں ملزمان یا مجرمان پر اس طرح اندھا دھند گولیاں چلانا کہ ان کی زد میں ایک بے گناہ' امن پسند شہری اور نہایت قیمتی اور پیاری جان ضائع ہوجائے' کسی طرح درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے نتیجہ میں ایک ہنستا بستا گھر اجڑ گیا' ایک معزز خاتون' جو خود بھی کالج میں پروفیسر رہی ہیں' بیوہ ہوگئیں اور ان کے بچے باپ کے سایہ شفقت و عاطفت سے محروم ہوگئے۔ یقیناً ان کے نقصان کا دنیاوی سطح پر ازالہ ممکن نہیں۔

نہ جانے ہمارا ملک' ہماری قوم' ہمارے عوام کس طرف جارہے ہیں۔ وہ کون ہے جو قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس طرح "Licence to Kill" دیتا ہے۔ کیا اس کا کسی طرح سدباب کیا جاسکتا ہے ؟

مرحوم چوہدری صاحب' تحریک طلوع اسلام سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ بانی تحریک اور راقم الحروف کے انتہائی قریبی عزیز تھے۔ وہ پرویزؒ صاحب کی اہلیہ اور ان کے برادر عارف بٹالوی کی زوجہ کے چچا اور میرے پھوپھی زاد تھے۔ انہوں نے نہایت ہی پاک صاف' شرافت سے معمور اور اخلاق و کردار کی جہت سے ایک خوبصورت مثالی زندگی گذاری۔ مرحوم کا شمار نیشنل بنک کے معماروں میں ہوتا تھا اور اپنے بنک میں وہ " Man of Crisis " کے طور پر جانے جاتے تھے۔ جہاں کہیں بھی لیبر یونین کا کوئی مسئلہ لاینحل ہوجاتا تو چوہدری صاحب کو آگے کردیا جاتا اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ بنک کو اس مشکل سے نکال لاتے۔ ایک نجی نشست میں انہوں نے مجھے بتایا کہ زندگی میں انہوں نے ہمیشہ ایک ہی اصول کی پاسداری کی اور وہ یہ کہ اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے وہ نہ کسی پر زیادتی کریں گے اور نہ ہی کسی کو زیادتی کرنے دیں گے' نہ اپنے آپ پر' نہ اپنے سٹاف کے کسی فرد پر۔

وہ اتنے عظیم انسان تھے کہ آج صرف نیشنل بینک ہی میں نہیں' بلکہ مختلف مصاف ہائے زندگی میں ان کے ہزاروں ممنونان احسان ہوں گے۔ انہوں نے تحریک حصول پاکستان کے دوران بھی اہم خدمات انجام دیں ایسی باوقار' قرآنی تعلیم کی پیدا کردہ حسن سیرت اور رعنائی کردار کی حامل بلند شخصیت کا یوں ضائع ہوجانا' ہر سننے والے کے دل میں تڑپ پیدا کردیتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ رحیم و کریم انہیں جنت الفردوس میں مقام علیین عطا فرمائے' ان کے پسماندگان کو' جن میں ان کی بیوہ' ایک بیٹا اور تین بیٹیاں شامل ہیں' صبر جمیل کی نعمت سے نوازیں۔ ان کی شخصیت کے ہمہ جہت اوصاف سے واقفیت کی بنا پر یہ امید بندھتی ہے کہ اللہ کی کائناتی قوتوں نے یہ کہہ کر ان کا استقبال کیا ہوگا کہ **یایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیہ مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔**

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے۔ سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے! **طوبیٰ لھم و حسن ماب** جگر فگار

محمد عمر دراز

1956ء کے آئین کی منسوخی کے اسباب جاننے اور نئے آئین کے خدوخال متعین کرنے کے لئے آئین کمیشن نے 1960ء میں ایک سوالنامہ جاری کیا تھا جس کا جواب طلوع اسلام کی طرف سے بھی دیا گیا تھا۔ تجدید یاداشت کے لئے ہم یہ سوالنامہ اور اس کا جواب نومبر 1996ء میں شائع کر رہے ہیں۔ قارئین مطلع رہیں۔

مدیر مسئول

طلوع اسلام کنونشن 1996ء

طلوع اسلام کی سالانہ کنونشن اپنے روایتی وقار اور سنجیدگی کے ساتھ 25/B گلبرگ 2، لاہور میں مورخہ 18 اکتوبر 1996ء بروز جمعۃ المبارک منعقد ہوگی۔

مجوزہ پروگرام

پہلا کھلا اجلاس

صبح ساڑھے نو بجے۔ دعوت عام ہے۔

موضوع: پاکستان کے موجودہ مسائل

اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات اور روز مرّہ مسائل کی نشاندہی آپ کیجئے۔ آپ کے سوالات کا جواب (پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر) قرآنِ کریم کی روشنی میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔

دوسرا کھلا اجلاس

3 بجے بعد دوپہر۔ سکول اور کالج کے طلباء اور طالبات کے لئے۔ مقابلۂ حسن تدبر

موضوع: اپنی زندگیاں اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی راہ میں ہماری دشواریاں۔

اپنی زندگیاں اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی راہ میں حائل دشواریوں کی نشاندہی طلباء و طالبات کریں گے۔ جوابات (پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر) قرآن کی روشنی میں طلوع اسلام کی طرف سے دیئے جائیں گے۔

ملی نوعیت کے بہترین سوالات پر کالج اور سکول کے طلباء و طالبات کو ایک ایک ہزار روپے کے دس انعامات اور مقابلے میں حصہ لینے والے سب طلباء کو شمولیت کے سرٹیفکیٹ دیئے جائیں گے۔ انعام کے حقدار طلبا کا اجلاس میں موجود ہونا لازمی ہوگا۔

سوالات، ہر دو اجلاس کے لئے ادارہ طلوع اسلام 25 بی گلبرگ 2 لاہور کے ایڈریس پر 30 ستمبر تک پہنچ جانے چاہئیں۔

بزمہائے طلوع اسلام کو پروگرام الگ سے ارسال کر دیا گیا ہے۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

اعتذار

ماہنامہ طلوع اسلام کے ستمبر 1996ء کے شمارے کے صفحہ 47 پر "مغیرہ بن ابو وہب کی بجائے ھبیرہ بن وھب مخزوی" پڑھیئے۔

چاروں طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ

* مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے ثابت کر دیا ہے کہ دو قومی نظریہ غلط ہے۔
* قائداعظم نے خود اپنی 11 اگست کی تقریر میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔
* قومیت کا مدار وطن کی جامعیت ہے' نہ کہ ایمان (نظریہ) کا اشتراک۔
* مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہئے ورنہ رہا سہا پاکستان بھی ختم ہو جائے گا۔
* نظریہ پاکستان محض ایک افسانہ ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں۔
* انسانی زندگی میں کوئی قدر ناقابل تغیر نہیں۔ ہمیں اپنے فیصلے حالات کے مطابق کرتے رہنا چاہئے۔
* اگر ہم پاکستان کی سلامتی چاہتے ہیں تو بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کر لینی چاہئے۔
* پاکستان میں متعدد قومیں بستی ہیں اس لئے صوبجاتی خود مختاری ضروری ہے۔
* قائداعظم زندہ ہوتے تو وہ اسی قسم کا پاکستان بناتے۔

سوال یہ ہے کہ

اگر قائداعظم زندہ رہتے تو وہ کس قسم کا پاکستان بناتے ---- بالفاظ دیگر قائداعظم کے تصور کا پاکستان کیا تھا؟

یہ وقت کا نہایت اہم سوال ہے جس کے صحیح جواب پر پاکستان کے مستقبل کا دارومدار ہے اور یہ جواب قائداعظم کے تحریک پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر اور تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ علامہ پرویز کی زیر طبع تالیف میں ملے گا جس کا عنوان ہے۔

قائداعظم کے تصور کا پاکستان

ضرورت ہے کہ اسے قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ میں عام کیا جائے کہ پاکستان کے مستقبل کا انحصار ہی ان کے زاویہ نگاہ کی درستی پر ہے۔

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اسلم رانا۔ ڈنمارک

بھنگی

وقت کرتا ہے پرورش برسوں۔ حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

اثریات کے سلسلہ میں جتنی بھی تحقیق ہوئی ہے یا مزید ہو رہی ہے' وہ بتاتی ہے کہ ازٹک' مایہ اور ان کا تمدن ایک طرف مصری' سمیری' موئن جوداڑو اور ہڑپہ کے تمدن دوسری طرف اوج ثریا کو چھو رہے تھے۔ ان قوموں کے محیرالعقول کارناموں کی باقیات کو دیکھ کر محققین انگشت بدنداں ہیں۔ مثلاً" ان کا پہاڑ پر نہر کے ذریعے پانی لے جانا' بابلیوں کے معلق باغات' مصریوں کی حیرت انگیز تعمیرات اور موئن جوداڑو کا ایک ایسا تیل استعمال کرنا جس سے ہم آج ہائیڈرالک آئل کے نام سے متعارف ہیں۔

لیکن ان کے معبدوں میں استادہ بتوں سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ ٹیکنالوجی کی بلندیوں پر ہوتے ہوئے ان قوموں نے مظاہر فطرت سے بھی اپنا ذہنی اور جذباتی رشتہ اسی طرح استوار کر رکھا تھا۔ انہیں دیوی دیوتاؤں کا رتبہ دے کر ان کی پرستش کیا کرتی تھیں اور ان کی چوکھٹوں پر انسانوں کی قربانی پیش کیا کرتی تھیں۔ سامیوں کے دیوتا مولک اور بعل کے مذبح سال بھر خون سے تر بہ تر رہتے تھے۔ مولک دیوتا کی قربان گاہ کا منظر بربریت اور ہولناکی کی انتہا تھی۔ مولک کے پجاری خاص خاص تہواروں پر اس عظیم الجثہ بت کے شکم میں آگ کا آلاؤ روشن کرکے اس کے آگے کو بڑھے ہوئے ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر معصوم بچوں کو رکھ دیتے جو پھسلتے پھسلتے اس کے شکم میں بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گرجاتے۔ بچوں کی چیخوں کو دبانے کے لئے زور زور سے ڈھول پیٹے جاتے اور نفیریاں بجائی جاتیں۔ میکسیکو کے ازٹک قبائل بھی سورج دیوتا (**بعل**) کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی چوکھٹ پر انسانوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ کلکتہ میں کالی دیوی کے غضب میں کمی کرنے کی خاطر اس کی چوکھٹ پر بھی انسان بے دریغ قربان کئے جاتے۔ یہ رسم آج بھی بدستور جاری ہے۔ انسان کی بجائے اب البتہ بکری کاٹی جاتی ہے۔

مذہب پرستوں کے نزدیک ایسے افعال قتل کے زمرے میں نہیں آتے لیکن عملاً" یہ قتل عمد میں شمار ہوتے ہیں جس کے لئے قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ وہ جرم ہے جس کے لئے میزان کھڑی کرنے کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ یوں تو وہ لوگ بھی بظاہر انسان ہی ہوں گے لیکن عملی طور پر ان کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر ہوگی۔

2000 (ق م) میں کچھ آریہ قبائل نے سندھ اور پنجاب کی طرف نقل مکانی کی۔ وہاں کے باشندوں کا نظام معیشت چونکہ زرعی تھا اس لئے انہوں نے

کوہستانی آریہ قبائل سے تعرض نہ کیا۔ ان کوہستانی گورے چٹے آریہ نے آہستہ آہستہ وہاں کے رسم و رواج اپنا کر ان کے تمام وسائل پر قبضہ جمالیا اور رفتہ رفتہ انہیں شودر کا نام دے کر معاشرے سے بالکل ہی بے دخل کردیا۔ ان میں سے جن کے ذمہ غلاظت اٹھانا اور صفائی کرنا ٹھہرا وہ "بھنگی" کہلائے۔ ان کی بستیاں شہروں سے باہر نکال دی گئیں جنہیں بارہ پتھر کہا جاتا تھا اور یوں قتل عمد کے بعد تذلیل انسانیت کا دور شروع ہوا۔

برصغیر میں مسلمانوں کے داخل ہونے تک مختلف خود مختار عملداریاں تھیں۔ مسلمانوں نے ان کو ایک مرکز کے تحت جمع کرکے اس خطے کو ایک نام دیا۔ بھارت کا ایک نامور شاعر چندربھان خیالی اپنی ایک نظم میں اس کی تصدیق کرتا ہے۔
خیالی نے یہ نظم ہندی میں لکھی تھی۔ نظم کی اہمیت کے پیش نظر "شمع" دہلی نے اس کو اسی وزن اور انداز کے ساتھ اردو میں منتقل کیا تھا۔
نظم ملاحظہ ہو:۔

وہ مسلمان تھے' اہل قرآن تھے

ہاں' وہ مسلمان تھے !'
ہم جیسے انسان تھے'
لیکن' ان کے سینوں میں قرآن تھا'
اور ہاتھوں میں تلوار'
یقیناً" وہ پکارتے ہوں گے ہندو ! ہندو ! ہندو!
ہند کے رہنے والوں کو'
وہ ہندو ہی تو کہہ سکتے تھے'
اور ہند کے باسی'
یعنی بڑے نام والی ناموجات'
بائیں بازو کی طاقت سے بے خبر
دائیں ہاتھ میں ترازو لئے
اپنا نفع نقصان تول رہی تھی'
نیچ اچھوت' غیر آریہ کے ایندھن پر'
کھول رہا تھا'
برہمن داد کا کڑھایا'
اور تلی جا رہی تھیں'
حکومت اور سہولت کی پوریاں'
پوریاں کھانے کے شوقین'
برہمن'
انہیں ملیچھ کہہ سکتے تھے'
پوریاں کھانے کا شوق اور بنانے کا فن'
ان تک ایکسپورٹ نہیں ہوا تھا'
لیکن'
ان کے دلوں میں صفائی تھی'
وہ ایمان کی تازگی لے کر نکلے تھے'
تبھی تو'
دشت کیا چیز ہے'
دریا بھی انہوں نے نہیں چھوڑے'
جہاں چاہا اتار دیئے اپنے گھوڑے'
گھر لوٹا اور چلتے بنے
جیسے انگریز آئے اور نکل بھاگے !
حملہ آور تو حملہ آور ہوتے ہیں'
وہ کیسے حملہ آور تھے ؟
لوٹنے آئے اور لٹنے والوں کے ہوکر رہ گئے!
صرف تلوار کے نہیں'
وہ وچار' عقیدے اور سوچ کے دھنی بھی تھے

جیسے خواجہ معین الدین چشتیؒ
عقیدہ ہی زندہ ہے'
ہاں وہ مسلمان تھے'
ٹھیک کہتے ہو'
وہ آسمان سے نہیں اترے تھے'
لیکن آسمانی دھوپ لے کر آئے تھے'
وہ مساوات' مساوات چلاتے آئے تھے
نیا انقلاب لائے تھے'
وہ یقیناً" یہیں کہیں دور سے آئے تھے
اور آریوں ہی کی طرح آئے تھے
فرق بس اتنا تھا'
کہ آریوں نے کھدیڑا تھا لالیں کو یعنی غیر آریوں کو
اندھیا چل کے اس پار تک
جو بچے رہ گئے تھے' وہ سیوک اور غلام بنائے گئے
یعنی بھنگی' چمار' نائی دھوبی وغیرہ وغیرہ
لیکن وہ مسلمان تھے'
اہل قرآن تھے
انہوں نے مسلمان بنائے
اور انہیں اپنی عبادت گاہوں میں لے آئے
بھنگی جب سید کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوگا
ذرا سوچ کر دیکھو کہ کیا سوچا ہوگا؟
تم کہتے ہو وہ مسلمان تھے'
وہ در حقیقت مسلمان ہیں'
تاریخ کے گلیاروں میں' ماضی کے بازاروں میں'
تاکنے جھانکنے سے فائدہ ؟'
وہ مسلمان ہیں'
اور ہماری طرح ورتمان میں موجود ہیں'
وہ مسائل زدہ انسان ہیں'
انہیں ماضی میں زندہ رکھنے کی کوشش'
زخموں پر نمک لگا لگا کر جگانے کی کاوش
بیداری نہیں' خون کے آنسو رلائے گی
ننگے سچ کو'
تم ٹھیک کہتے ہو'
سچ کو سچ کی طرف سنا جائے'
تو سنو!
مسلمان نہ ہوتے' تو'
قبیلوں' ورنوں' طبقوں اور جاتیوں کے جنگل میں'
نفرت کی آگ لگی ہوتی'
جنگل جل چکا ہوتا'
پھر نوکریوں میں ریزرویشن کی دھوپ میں کسے چھینکتے؟
ریزرویشن کی مخالفت کون کرتا؟'
جمہوریت کی مینا کہاں چہچہاتی؟'
مساوات' انصاف اور سماج سدھار شبدکوش میں'
یعنی لغت میں' بس دھرے ہی رہتے'
اینٹ پتھر کی عمارت کوئی بھی بنا سکتا ہے'
شہر بھی بستے ہی رہتے ہیں'
وہ نہ ہوتے تو بہت کچھ نہ ہوتا'
یا کچھ نہ کچھ ہوتا'
وہ ہیں تو وقت اور مشکل کیا ہے؟
وہ مسلمان ہیں'
وہ رتھ یا گھوڑے پر سوار دہشت نہیں
وہ رام سے نہیں ڈرتے
لیکن ڈرتے ہیں رام نام کے سوداگروں سے
وہ مارکس سے نہیں ڈرتے
لیکن ڈرتے ہیں
حکم الٰہی میں ملاوٹ کرنے والے ملاؤں سے
وہ تیرنا جانتے ہیں' لیکن
ندی کنارے بیٹھنے پر مجبور ہیں

ان کے صرف رشتے دار ہیں پاکستان میں
سرحد پار سے آئے ہوؤں کو تو ٹٹولئے'
جنم بھومی کی اہمیت کیا ہے
ایودھیا سے زیادہ وہ کراچی میں جیتے ہیں
ہاں وہ مسلمان ہیں'
دو سو برس سے انگریزوں سے لڑتے رہے
انہوں نے پاکستان بنایا' لیکن
وہ پاکستان کے خلاف جنگ میں شہید بھی ہوئے
وہ مسلمان ہیں
ان کے پرکھوں کی ہڈیاں یہیں دفن ہیں
وہ کہیں سے نہیں آئے!
وہ کہیں نہیں گئے!
وہ کہیں نہیں جائیں گے'
پھر آئیں گے
کیوں کہ وہ مسلمان ہیں
اہل قرآن ہیں
وہ اہل ہندوستان ہیں!

مسلمان نے کہنے کو تو محکوم و زیردست اور حاکم و زبردست کا سلسلہ ختم کردیا مگر خود شہنشاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا تو ظلِ الٰہی بن بیٹھا۔ مسلمان کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ اس کو جب حکومت ملے گی تو وہ دین اسلام کا انسانیت ساز نظام "نظام ربوبیت عامہ" نافذ کرے گا۔ مگر ظلِ الٰہی کے نشہ میں اس نے اپنے اس فریضے سے عملاً" رُوگردانی برتی اور آسائش کی زندگی میں صدیاں اس طرح گزار دیں کہ مہلت کا وقفہ بھی ختم ہوگیا۔ قانونِ مکافات عمل کا اصول یہ ہے کہ کام اور اس کا نتیجہ برآمد ہونے میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ جو بیج آج بویا جائے اس کا پھل اپنے وقت پر جاکر لگتا ہے---- یہ پھل لگا تو یورپ کے دکانداروں کی جھولی میں جاگرا۔ یہ کیوں اور کیسے ہوا۔ اس کے لئے پروفیسر شریف المجاہد کی مرتب کردہ کتاب "تحریک پاکستان" سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"اسلامیان ہند کی تاریخ میں 1757ء ایک اہم سنگ میل ہے۔ یوں تو 1707ء ہی سے جب اورنگزیب عالمگیر نے داعی اجل کو لبیک کہا' مسلمانان ہند من حیث القوم روبہ انحطاط تھے لیکن 1757ء میں پہلی مرتبہ ایک مسلمان حکمران کو بدیسی تاجروں کے ہاتھوں جنگ پلاسی میں شکست کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں بنگال پر نواب سراج الدولہ کی عملداری ختم ہوگئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی حکمران بن بیٹھی۔ جنگ پلاسی کے ساتھ ہی سرزمین ہند پر ایک نئے رجحان نے آئندہ سو سال میں اس قدر تقویت حاصل کی کہ بالاخر 1857ء میں سرزمین ہند برطانوی حکومت کے زیر نگین آگئی۔"

مسلمانوں پر 1857ء کی ناکامی کے نہایت سنگین نتائج مرتب ہوئے۔ ایک طرف تو ان کی سیاسی حیثیت میں غیر معمولی تبدیلی واقع ہوئی کہ وہ حاکم سے محکوم کے زمرے میں آگئے دوسری طرف وہ اقتصادی اور معاشی طور پر بھی شدت سے متاثر ہوئے۔ انگریز حکومت سے قوت آزمائی کی سزا کے طور پر ان کی جاگیریں چھین لی گئیں' ان پر ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے اور سرزمین ہند میں بسنے والی دیگر اقوام کے مقابلے میں حکومت وقت کی نظروں میں مشکوک و معتوب قرار پائے۔

عیسائی مشنری نے برتری کے زعم میں عیسائیت کا پرچار شروع کردیا۔
اس وقت گھروں سے فضلہ اٹھانا' گلی کوچوں اور سڑکوں

کی صفائی کرنا شودروں کی ذمہ داری تھی' جنہیں نہ معلوم بھنگی کیوں کہا جاتا تھا عیسائی مشنری نے اس طبقہ پر خصوصی توجہ دی۔ ان میں سے بیشتر عیسائی ہو گئے لیکن رہے بھنگی کے بھنگی!٭

مملکت خداد پاکستان وجود میں آئی تو اس کی تعمیر و ترقی کے لئے ہمیں وہ کارکن درکار تھے جو اس کشتی کے کھیون ہار بنتے۔ یہ کھیپ ظاہر ہے ہماری درسگاہوں میں تیار ہو سکتی تھی لیکن اقتدار کی چھینا جھپٹی میں یہ بات کسی کو یاد ہی نہ رہی۔ ہماری کچھ درسگاہیں علماء مشائخ کی تصرف میں تھیں اور کچھ عیسائی مشنری اداروں کے زیر نگیں۔ سلیس دونوں کا "مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے" تھا۔ لہٰذا اقبالؒ و جناحؒ کے پاکستان کو جن شاہینوں کی ضرورت تھی وہ نہ پیدا ہونے تھے' نہ ہوئے۔

جس طرح مشنری اداروں میں تعلیم پانے والے پڑھ لکھ کر بھی بھنگی کے بھنگی رہے اسی طرح مذہبی درسگاہوں میں تعلیم پانے والے نان جویں کے محتاج تھے' محتاج رہے۔ انہوں نے گفتگو میں عین' قاف کی ادائیگی سیکھ لی اور انہیں ٹائی باندھنے کا گر آ گیا علوم فطرت سے آگاہی نہ ان کا مقدر بنی' نہ ان کے حصے میں آئی۔ مفاد پرستوں نے حکمرانوں کی کوتاہ نگہی کا فائدہ اٹھایا اور بھنگ کے پودوں کی طرح گلی گلی قریہ قریہ پرائیویٹ سکول کھل گئے مسلمان بچے جنہیں علم و ہنر کے ساتھ آئین جہانداری بھی سیکھنا تھا کسی سینٹ رابرٹ' سینٹ تھامس یا سینٹ جوزف سکول میں ٹائی کی گرہ لگانا سیکھ رہے ہیں یا تہذیب مغرب کی بھول بھلیوں میں گم ہو رہے ہیں۔ ہماری اپنی مذہبی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی حالت ان سے بھی گئی گزری ہے۔ حالت ہماری یہ ہے اور قوم ان عقابوں کی راہ تک رہی ہے جو ان درسگاہوں سے فارغ ہو کر ستاروں پر کمندیں ڈالیں گے!

ان حالات میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر ہم واقعی اپنے ملک سے' اپنے دین سے' اپنے آپ سے مخلص ہیں تو ہمیں اپنے نظام تعلیم پر از سر نو توجہ دینا ہوگی تاکہ ملک سے درماندگی دور ہو اور وہ جو کسی وجہ سے درماندگی کا شکار ہو گیا ہے ہمیشہ کے لئے درماندہ نہ رہے۔ وہ تعلیم ہی کیا جو انسان کو پستی سے بلندی کی طرف لے جانے والی نہ ہو اور اگر یہ نہ ہوا تو ایک دن آئے گا جب ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

٭

نوٹ: بھنگی ہونا معیوب نہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تبدیلی مذہب بھی انہیں ہندو جاتی کے ورنوں سے نہ نکال سکی۔ مدیر

کھاتہ داران توجہ فرمائیں

بک سیلر' ایجنٹس اور وہ تمام حضرات جو تھوک کے بھاؤ پرچے خریدتے ہیں' آگاہ رہیں کہ انہیں اپنے واجبات 18 اکتوبر 1996ء تک ادا کر دینے چاہئیں۔ آئندہ سال کمیشن کی موجودہ شرح برقرار رہے گی تاہم پرچے کی قیمت 15 روپے فی پرچہ کے حساب سے ہوگی۔

رحمت اللہ طارق سیاح بلادِ اسلامیہ

وادیٔ نمل کی ہشیار ملکہ

منطق الطیر، ھدھد — اور دابۃ الارض کی حقیقت

مضمون کی دو اقساط آپ اگست اور ستمبر 1996ء کے شمارے میں پڑھ چکے ہیں۔ تیسری اور آخری قسط اب پیش خدمت ہے اس سے امید ہے وادی نمل کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوجائے گی۔

یہ سلسلہ جیسا کہ قارئین جانتے ہوں گے۔ ماہنامہ "اشراق" میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے جواب میں پیش کیا جارہا ہے جس میں انہوں نے ارباب فکر پرویزؒ کی توجہ دلاتے ہوئے وادی نمل کے باسیوں کو چیونٹیاں ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ادارہ اس کاوش کے لئے علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کا ممنون ہے۔

مدیر مسئول

پانچواں وسوسہ۔ نمل کی تاریخی شخصیت

کہا گیا ہے کہ نملہ "اگر تاریخی شخصیت ہوتی اور نمل کا واقعاتی وجود ہوتا تو ان کے نام صیغہ راز میں نہ رہتے اور چونکہ ان کے نام آج تک صیغہ راز میں ہیں لٰہذا قرین قیاس یہی ہے کہ یہ انسانی مخلوق میں سے نہیں تھی۔"

قولِ فیصل

یہ ایک بانجھ مفروضہ ہے جو کسی حقیقت کی تخلیق نہیں کرسکتا۔ ہمارے ناقدین جن سہاروں پر چلنا چاہتے ہیں وہ کمزور اور عنکبوتی سہارے ہیں۔ قرآن پاک کے اپنے اسالیب ہیں۔ وہ ان کے لئے کسی خارجی شہادتوں اور تصدیقات کا محتاج نہیں ہے۔ وہ جب اقوام کے سربراہوں کا ذکر کرتا ہے تو نام

صرف قومیت یا لقب سے یاد کرتا ہے۔ نام نہ لینے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایسے عجمی نام جنہیں پہلے سے "عربایا" نہیں گیا قرآن میں ذکر کر دینے سے تلاوت میں دشواری کا موجب بن سکتے تھے مثلاً" یوسف علیہ السلام کے ہمعصر مصری سربراہ کا نام "اپوفس" 1898 ق م) ہے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے منہ بولے باپ کا نام رعمیس دوم (1292 ق م) اور موسیٰ علیہ السلام کے متحارب کا نام منفتاح' (1224 MINE PTAH ق م) اور مصر کے بڑے اہرام کے بانی کا نام خفرع بن سنفرع (2932 ق م) تھا اب اگر تمام ناموں کو عربیا کر قرآن میں ذکر کردیا جاتا تو لہجہ کی تبدیلی ناگزیر ہوجاتی اور بہت سے نام کچھ کے کچھ بن جاتے۔ لہٰذا ان سب کو نام لئے بغیر صرف فرعون (PHARAOH) کے لقب سے یاد کیا کہ مقصد عبرت دلانا اور زندگی کو ایسی نہج پر چلانا تھا جو فوز و فلاح کی ضامن ہو۔ یا پھر ایسے القاب تجویز کر دیئے گئے جو اصل کے مقابل زیادہ سہل اور زبان زد ہوسکتے تھے۔ مثلاً" فرعون خضوع کے لئے' ذی الاوتاد۔ (1) اور یاجوج و ماجوج کے فاتح سائرس (595 ق م) کے لئے ذی القرنین کا لقب تجویز کیا گیا۔ (ترجمان القرآن "امام الہند جلد 2 / 402 - 401) اسی طرح ذوالکفل اور ذوالنون کو قیاس کیجئے---- مقصد یہ کہ ان تمام ناموں اور مسمیات کے اخفاء سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی تاریخی حقیقت ہی نہیں تھی۔ یہاں تو پھر بھی "نمل" کہہ کر "قومیت" کا اشارہ کردیا ہے لیکن قرآن پاک میں تو بسا اوقات اتنی وضاحت بھی ضروری نہیں سمجھی گئی اور فرمایا گیا کہ "اس کی طرح" (بقرہ' 259)- حالانکہ یہ "اس کی طرح" "ماسبق سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک پیغمبر کی طرف اشارہ ہے لیکن اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ "اس کی طرح" کے مشار" الیہ (To point at) نامعلوم ہیں کیونکہ اشارہ بسا اوقات وضاحت سے زیادہ بلیغ ہوتا اور "نکرہ" کبھی "معرفہ" سے دُہری "افادیت" کا حامل بن جاتا ہے۔

یہ تھے وہ شبہات اور وسوسے جن کی اساس پر کہا جاتا تھا کہ "نملہ" اور "نمل" کے واقعات بے بنیاد اور فرضی ہیں۔

منطق الطیر

میرا موضوع اگرچہ وادی النمل سے منسوب دیو مالائی کتھا کی حقیقت معلوم کرنا تھا لیکن بسا اوقات اس کے ساتھ "منطق الطیر" ھدھد اور "دابہ الارض" کا ذکر چھیڑ دیا جاتا ہے یہ اس لئے کہ وہ کلام اور نطق کا صدور بلکہ اطلاق غیر انسانی مخلوق پر ثابت کر دکھلائیں اور نتیجہ میں کہہ سکیں کہ جب یہ بے زبان مخلوق گویا ہوسکتی ہے تو نملہ بحیثیت چیونٹی کیوں نہیں ہوسکتی ؟---- یعنی ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق سلیمانؑ اس معنے میں جانوروں کی بولیاں جانتے تھے کہ آپ ہر جانور سے اس کی زبان میں بات کرنے پر قادر بنا دیئے گئے تھے۔ وہ جب کووں سے بات کرتے تو "کاں کاں" کرتے اور جب چڑیوں سے مخاطب ہوتے "چوں چوں" کرتے اور اسی طرح اور---- اور---- العیاذ باللہ

لیکن میرے نزدیک یہ مفہوم نہ صرف ایک نبی کی شان کے منافی ہے بلکہ ان تصریحات کے بھی خلاف ہے جو اسی کیمپ کے اعتدال پسند علما نے پیش کی ہیں مثلاً"۔ مخدومی امام الحدیث ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری (1948 م) نے یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ

سلیمانؑ کو ہر جانور کی خواہش کا الہام اور القاء ہوجاتا تھا یعنی اللہ سبحانہ' الہام کے ذریعہ بتا دیتے کہ فلاں جانور کا یہ منشاء ہے۔

(تفسیر ثنائی (اردو) طبع امرتسر 23/30/6)

اس توجیہ سے اس عقیدے کی جڑ و بنیاد ہی ختم ہوجاتی ہے کہ سلیمانؑ جانوروں کی بولیاں بے ساختہ سمجھ اور بول لیتے تھے۔ اسی طرح امام بیضاوی' (1260 م) کی وضاحت یہ ہے کہ

آپ ہر جانور کی آواز سے قیاس اٹکل (حدس) اور اندازے سے جان جاتے تھے کہ اس کی خواہش کیا ہے ؟

مثلاً" بلبل کے چہچہانے اور رقص کرنے کو فارغ البالی (خوشی) اور سیر ہوکر کھانے پر قیاس کرتے اور فاختہ کے غٹ غوں سے اس کے غمگین اور خالی پیٹ ہونے کا اندازہ فرماتے تھے۔

(تفسیر بیضاوی طبع قاہرہ جلد 2 ر 137 ر 23 تا 25)

اعتدال پسندوں کے یہ ہر دو اقتباسات جیسے بھی ہیں رد کردینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آپ حیوانات غیر ناطقہ (DUMB. MUTE) کی خواہشات کا اندازے اور قیاس ہی سے تعین کرتے تھے؟ یا ان ہی کی زبان میں باتیں بھی کرتے تھے ؟ کیونکہ ہدہد۔ کے مکالمے کو اندازے اور قیاس سے کوئی نسبت نہیں دی جاسکتی کہ وہ خود ہی اس پر دلیل فراہم کر رہا ہے کہ وہ "انسان" تھا۔اگر "پرندہ" ہوتا تو وہ شریعت اور انسانی آداب و احکام کا مکلف نہ ہونے کے باعث اس دھمکی اور تہدید کا مستحق نہ ٹھہرتا جو سلیمانؑ کی زبان سے نکل چکی تھی (جیسا کہ آئندہ واضح ہوگا)

-----اور جہاں تک بیضاوی کی تصریح کا تعلق ہے تو اسے مسترد کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جانوروں کی خواہشات کو اٹکل سے معلوم کرنا حساس اور رحمدل انسانوں کی فطرت میں شامل ہے۔ وہ جانوروں کی طبعی حرکات اور آواز کے سوز و گداز یا "کرختگی" اور گلوگیر ہونے سے ان کے دکھ و درد یا خوشی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کتے کے دم ہلانے سے خوشامد۔ رات کے پچھلے پہر کراہنے سے کسی تکلیف اور الم میں مبتلا ہونے کا خیال کرتے ہیں۔ ایک بار حضورؐ نے اونٹ کا دکھ محسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ **فانہ شکا کثرۃ العمل و قلتہ العارف فاحسنوا الیہ۔**

یہ بے زبان جانور کام کی کثرت اور گھاس کی قلت کا شاکی ہے اس سے اچھا سلوک کرو۔

(بحوالہ شرح السنہ)

کسی نے پرندے کے بچے کو پکڑ لیا اس پر اس کی ماں نے اضطراب اور بے چینی کا اظہار کیا۔ آپؐ نے فرمایا **من فجع ھذہ بولد صاردو اولدھا الیھا** چڑیا کے بچے کو پکڑنے کی حرکت کس نے کی ہے؟ اسے چھوڑ دو تاکہ ماں کو قرار آجائے۔

(ابوداؤد)

بلکہ آپؐ نے جانوروں پر بے رحمی کے انسداد کے لئے اصول مقرر فرمایا کہ **اتقواللہ فی ھذہ البھا المعجمہ فارکبوھا صالحہ و کلوھا صالحہ**---ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ یہ جب صحت مند ہوں تو سواری کرو۔ جب چارہ دو تو بھرپور دو۔

(ابوداؤد)

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ جانوروں کی خواہشات کا علم رکھنا کوئی فرق عادت معجزہ نہیں ہے۔ جسے لے کر دیومالائی کتھا تیار کی جائے۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ۔

منطق الطیر۔ ایک علم ہے جس میں پرندوں کی بناوٹ، صورت، عادت اور وصف کا بیان ہوتا ہے اور یہ شعبہ ہے "حیاۃ الحیوان" کے علم کا جس میں ہر قسم کے جانوروں کا ذکر ہوتا ہے۔ یہاں "طیر" سے بطور خاص بحث نہیں ہے۔

اس کی بابت ابھی ابھی تفصیل آرہی ہے۔ دکھلانا یہ ہے کہ "طیر" کو جانور تسلیم کر لینے کے بعد بھی منطق الطیر ٹھیک ترجمہ ہے یونانی لفظ "ارنی تھولوجیا" کا۔ ارنیس اور ارنیس تھوس کہتے ہیں اڑنے والے کو اور لوجیا کے معنے علم اور لغت کے ہیں۔ ملاحظہ ہو "سلیمانی مصنفہ محقق اعظم علامہ چراغ علی۔"

(طبع امرتسر)

اب جو لوگ اس حقیقی منطق الطیر سے ناواقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پرندے آپس میں "مرکب آواز" میں بولتے ہیں اور ان کی ایسی باتوں کو سلیمانؑ سمجھ لیتے تھے حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ "علم الحیوان" سلیمانؑ کے وقت میں آج کی طرح مدون و مرتب نہیں تھا اور نہ ہی اس کے جاننے والے ماہرین (SPECIALIST) پائے جاتے تھے۔ ان حالات میں اگر سلیمانؑ اور داؤد علیہ السلام کو اس علم سے بہرہ وافر ملا تھا تو اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوسکتی تھی؟ اور اسی نعمت کا یہ نفوس قدسیہ فخر کے ساتھ اظہار کرتے اور شکر بجا لاتے رہے۔ یہ ایسی "توجیہہ" نہیں جسے ہمارے ہی حوالہ سے معلوم کرلیا جائے بلکہ اس حقیقت کو دوسرے اہل علم میں بھی تسلیم کرچکے ہیں کہ۔

منطق الطیر دراصل وہ علم ہے جس کے ذریعہ پرندوں و حیوانات کی خواہشات کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اور وہی علم سلیمانؑ کو حاصل تھا۔

تفسیر "الواضح" (مصنف علامہ محمود احمد مجازی طبع قاہرہ جلد 19 /79/ 4)

یعنی کہ سلیمانؑ پہلے انسان تھے جو علم الحیوان (ZOOLOGY) سے آشنا ہوئے یا یہ کہ ماہر تھے۔ وہوالمقصود۔

گوکہ علم الحیوان کے درجنوں شعبے ہیں اور ہر شعبہ کا ایک اصطلاحی نام ہے تاہم اس پر مجموعی طور پر "زولیاجی" کا اطلاق بیجا نہیں ہوسکتا----- رہا یہ کہ یہاں۔**علمنا منطق الطیر**۔ کہا گیا ہے منطق الحیوانات نہیں کہا گیا۔ تو اس کی وجہ یہ بنی کہ اس طرح "الطیر" کی خصوصیت باقی نہ رہتی اور تمام حیوانات اس میں شامل سمجھے جاتے۔ پھر یہ بات تو ادنیٰ تامل سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ عام طور پر "قاعدہ **تغلیب**" (TO OVERCOME) کے مطابق متعدد اشیاء کا ذکر کر دینے کی بجائے کسی ایک کا نام لے کر سب کو اسی "زمرے" کی چیز کہا جاتا ہے مثلاً" چڑیا گھر جس میں ہزاروں قسم کے حیوانات و طیور موجود ہوتے ہیں مگر **تغلیباً**" سبھی کو چڑیوں میں ضم کرکے "چڑیا گھر" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح "الطیر" کا لفظ کہہ کر تمام حیوانات کے علم (SCIENCE) کو منطق الطیر سے موسوم کیا گیا ہے۔

منطق الطیر کی یہ تشریح بحث کو مختصرکرنے کے لئے کی گئی ہے ورنہ تو اس کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے کہ

علم و سائنس کی روشنی میں کچھ کہا ہی نہ جاسکے!

سلیمانیؑ افواج کی تقسیم۔ مزید طیر کی وضاحت

جس طرح سلطنتوں کی فوج فضائی' بری اور بحری یونٹوں میں تقسیم ہوتی ہے اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی افواج بھی جن' انس اور طیر کی ٹکڑیوں میں تقسیم تھیں۔ پہلے چونکہ "فضائی" فوج کا رواج نہیں تھا لہٰذا باڈی گارڈ دستے بری افواج میں سے لئے جاتے تھے بلکہ آج کمانڈو قسم کی فوج کا اضافہ ہوا ہے جو اس پر غماز ہے کہ ہر دور کی ضرورت فوجی تقسیم پر اثر انداز رہی ہے۔ فوج کی اس تقسیم کے علاوہ آج جس طرح پنجاب اور بلوچ رجمنٹ کے نام سے علاقوں سے وابستہ افواج تیار کی جاتی ہیں' سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بھی اسی طرح کے فوجی اصولوں کی رعایت برتی گئی تھی کہ "منطق الطیر" کی صحیح تشریح اس وقت ہی سامنے آسکتی تھی (جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا)

ان وجوہات کی بنا پر "منطق الطیر" سے مراد لڑنے والے پرندے نہیں ہوسکتے اگرچہ اس کے معنے یہ بھی ہیں کیونکہ پرندہ نہ تو "حربی جانور" ہے اور نہ ہی جنگ میں کام آنے والا ذریعہ۔ لہٰذا یہ امر قابل فہم نہیں ہے کہ جن و انس کے جنگجو قبائل کی صف میں "پرندوں" کو رکھ کر میدان جنگ میں جھونک دیا جائے ؟ وضاحت کے لئے ذیل کی آیت ملاحظہ ہو

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ 27:17 سلیمانؑ کے لئے جن و انس کے علیحدہ علیحدہ لشکر تیار کئے گئے

(نمل' 17)

اس آیت میں سلیمانی افواج کو تین قسموں میں دکھلایا گیا ہے جن کی ترتیب و تشریح میں محقق اعظم علامہ چراغ علی لکھتے ہیں ایک لشکر میں تو فلسطینی قوم کے آدمی تھے ان میں کوئی شخص بنی اسرائیل سے نہیں تھا اور چونکہ بنی اسرائیل کا محاورہ تھا کہ----- اپنی قوم کے آدمیوں میں اور غیر قوم کے آدمیوں میں تمیز و تفریق کرتے تھے-----
جیسے (غیم) یا اور امین وغیرہ یہی قسم فوج کی قرآن مجید میں "جن" کے نام سے آئی ہے۔

(تہذیب الاخلاق طبع دوم لاہور جلد 3/ 173 / 16 تا 22)

نیز فرماتے ہیں۔

"فوج جن (وحشی قبائل' غیر مہذب' دیہاتی اور پہاڑی مکین) **کریشی**' اور قلیشی قوم کے آدمی جو اجنبی قوم کے تھے ان کا ذکر کتاب دوم سموئیل باب 15 کی 18'19 کی آیتوں میں ہے اور اسی کتاب کے آٹھویں باب کی 18 آیت اور بیسویں باب کی 7۔ اور 23 آیت میں بھی ان کا نام ہے۔ یہ دونوں قبیلے فلسطانیوں کی نسل سے تھے (دیکھو گریسوس کا عبرانی لغت جوکہ ابوالولید بن جناح القرطبی کی کتاب " الاصول" سے ماخوذ ہے) صفحہ 417 صفحہ 677 اور ای والڈ کی عبرانی گرامر صفحہ 297 اور ہارن کی 202/3_"

(بحوالہ تہذیب الاخلاق 3/173'174)

اس کے بعد عبرانیات پر کامل عبور رکھنے والے علامہ مرحوم' داؤد علیہ السلام کی فوج کی دوسری قسم کی بابت رقمطراز ہیں کہ دوسری قسم کی فوج اسرائیل کے نام سے تھی۔ اس میں سب بنی اسرائیل اور اہل کتاب تھے۔ ان کو لفظ "انس" سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی تفصیل کتاب۔ اخبارالایام باب 27 میں (1-15)

اور صموئیل باب 8 کی 16 باب 20 کی 63 آیت میں مذکور ہے۔

(تہذیب الاخلاق بحذف تفصیل جلد 174/3)

داؤدؑ کی فوج کی تیسری قسم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تیسری قسم کی فوج طیر تھی جو داؤدؑ کے بہادروں کے نام سے موسوم تھی YYY 'YYY کتاب اول سلاطین باب اول پسوق 8 ان کی تفصیل کتاب دوم صموئیل کے باب میں (8-39) اور کتاب اول اخبار الایام کے گیارھویں باب میں (11-47) میں ملے گی۔"

یہ لوگ تعداد میں 600 تھے۔ ان میں دو دو سو کی ٹکڑیاں تھیں اور بیس بیس کی تفریقیں اور تقسیمیں۔

(تہذیب الاخلاق جلد 23/174/3 تا 27)

علامہ مرحوم۔ اشارتاً" یہ بھی واضح فرماتے ہیں کہ۔ جدید تقسیم کے لحاظ سے عربی فوجوں میں "طیر" کو آج بھی مخصوص دستہ شمار کیا جاتا ہے۔

(تہذیب الاخلاق جلد 173/3)

داؤد علیہ السلام کی اسی فوج کا زبانِ وحی میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے والطیر محشورۃ۔ اس کے پاس گھڑ سواروں کا لشکر جمع تھا (صفحہ 19)

داؤدؑ کی فوج کی یہی افواجِ قاہرہ سلیمانؑ کو ورثے میں ملیں اور قرآنِ پاک نے یہاں پھر اسی گواہی کو دہرایا کہ سلیمانؑ کے لئے جن و انس اور طیر کے علیحدہ علیحدہ لشکر تیار (وجمع) کئے گئے تھے

(نمل، 17)

طیر کی بابت ان تفاصیل کے علاوہ ذیل میں معنوی مناسبت کے لحاظ سے مزید معانی درج ہیں جو مزید تائید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ امام زمخشری علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں۔ فرس **مطارو** کا **دیستطار من شدہ عدوہ**

گھوڑا جب تیز رفتاری میں بہت آگے نکل جائے تو کہتے ہیں اڑتا جاتا ہے۔

(اساس البلاغہ طبع فوٹو آفسٹ باہتمام محمد ندیم قاہرہ صفحہ 288 کالم نمبر2 صفحہ 5)

یہاں طیر۔ کا لفظ "تیز رفتاری" کا استعارہ بن کر واضح کر رہا ہے کہ گھڑ سوار دستے جو ہوا کے دوش پر سوار ہوکر دشمن پر جھپٹتے تھے قرآن کی اصطلاح میں اسے طیر کے استعارے میں بیان کیا گیا ہے----- اس بناء پر **عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ** کے معنے ہوں گے ہمیں گھڑ سوار لشکر (تیار) کرنے کے قواعد و ضوابط سکھلائے گئے (نمل، 16)

طیر کا وسیع تر مفہوم

قرآن محکم کی آیات میں ژرف **نگھی** سے کام لیا جاتا تو مفہوم و معانی کا بحران پیدا نہ ہوسکتا لیکن عصفور و عنادل سے دل بہلانے والے اتنی گہرائی میں نہ جاسکتے تھے۔ وہ داؤدؑ و سلیمانؑ کی افواج میں پرندوں کا شمول ضروری سمجھتے تھے حالانکہ یہاں نہ اس کی مناسبت تھی نہ کسی غیر مناسب پیوندکاری کی ضرورت۔ قرآن میں صاف فرمایا کہ **وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ** اور گھڑ سوار دستے جمع رہتے اور ان کا ہر فرد اطاعت پذیری میں لگا رہتا (سرمو انحراف نہ کرتا)

(ص، 19)

اور جس طرح سورہ "ص" کی 17 ویں آیت میں

داؤد علیہ السلام کو "اقراب" کہا گیا ہے اسی طرح 19 ویں آیت میں مذکور ہر فوجی کو "اواب" کہا گیا ہے۔ ادھر لغت اور ادب کے بڑے راہوار امام راغب لکھتے ہیں۔ **الارب ضرب من الرجوع وفالک ان الارب لایقال۔ الا فی الحیوان النی لہ ارادۃ** اوب۔ اطاعت پذیری کی ایک صفت ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ صرف انسان کی صفت بن سکتی ہے حیوانات کی نہیں بن کہ وہ کسی ارادے کے مالک نہیں ہوتے۔

(مفردات القرآن طبع بیروت صفحہ 25 کالم نمبر2)

بات کھل گئی کہ یہاں طیر کو جب تک حیوانات کی صف سے نکال کر انسانوں کے "زمرے" میں نہیں لایا جاتا۔ عربیت اور استعمالات قرآن کی رو سے "اواب" کی صفت استعمال نہیں ہوسکتی۔
اسی طرح داؤد علیہ السلام کے ذکر ہی میں فرمایا **وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ** ○ 34:10
ہم نے داؤدؑ کو بہت سی باتوں میں برتری دی اور جبال و طیر سے کہا ان کا پورا پورا ساتھ دو۔

(سباء- 10)

اَوِّبِي۔ کا صیغہ "اوب" سے ہے جو قرآن کے استعمال اور دانشوران وحی کے استقراء کی رُو سے "غیر انسان" کی صفت (یا فعل) نہیں بن سکتا۔
طیر۔ کے ضمن میں عبرانیات کے علاوہ عربی ادب میں کافی مثالیں موجود ہیں اس پر جابر بن موسیٰ کے ذیل کے بیت سے بخوبی روشنی پڑ سکتی ہے۔

فما نفرت جنی ولا۔ فل میردی
ولا اصبحت طیری من الخوف وقما

نہ میرا زور ختم ہوا نہ کاروبار میں گھاٹا رہا
اور نہ ہی میری فوج نے ڈر کر ہتھیار ڈالے

یہاں طیر۔ فوج کے معنے میں آیا ہے وضاحت میں شیخ ابو ذکریا یحیٰی بن علی الخطیب تبریزی (912 م) لکھتے ہیں۔ **و یجوزان یرید بالطیر هرایاه و طوائف خیله التی تذهب فی الغارات والاتباء و تجسلیس الاخبار و غیرها**
طیر سے مراد وہ شبخون مارنے والے گھڑ سوار ہیں جو سرعت اور پھرتی سے دشمن پر پل پڑتے اور فوجی نوعیت کی خبریں لاتے یعنی دشمن کی سرحدیں پار کرکے ان کی افواج کی نقل و حرکت کی اطلاع بہم پہنچاتے' جاسوسی کی مہارت کا مظاہرہ کرکے مملکت کو خطرات سے بچاتے ہیں۔

(دیوانہ "حماسہ" بشرح تبریزی طبع بونائے یورپ 1825 م صفحہ 82)

طیر کی ذیل میں قرآنی اور لغوی شواہد کی روشنی میں سلیمان علیہ السلام کا گھڑ سواروں کے سر عسکر "ہدہد" کے غیر حاضر ہونے پر خفگی کا اظہار فرمانا قرین عقل ہے۔ ارشاد ہے **وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ**20 : 27' یہاں "**تفقد**" کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں کھوئے ہوئے کو تلاش کرنا۔ موجود نہ پاکر مضطرب ہونے اور بعض امور کے جائزہ لینے کے ہیں۔ یعنی ماحول چونکہ جنگی تیاریوں کا تھا لہٰذا مہم کشی سے پہلے افواج کے جائزہ لینے کی ضرورت تھی لیکن معلوم ہوا کہ فوج کا سر عسکر ہُدہُد غیر حاضر ہے تو یہ کہہ کر برہمی اور خفگی کا اظہار فرمایا کہ----- اگر یہ کوئی اہم خبر نہ لایا تو اس کی غیر حاضری کا شدید نوٹس لیا جائے گا پھر سنگین

سزا ہوگی یا تختہ دار----- 20

اس طرح۔ **تفقد** کی تشریح سے بھی طیر کے معنے گھڑ سوار دستوں بلکہ تبریزی کی وضاحت کے مطابق جاسوسی کے امور بھی ان ہی کے سپرد ہوتے تھے لہٰذا ہُدہُد جو سلیمانی جاسوسی و گھڑ سواروں کا سرِ عسکر تھا کچھ عرصہ غائب رہا پھر اپنی معلومات کے نتیجہ میں خبر لایا کہ ملک سباء میں ایک عورت حکومت کرتی ہے جو بڑی فرزانہ ہے وہ اور اس کی رعایا سبھی سورج پرست ہیں (نمل-)

ھُدھُد- پرندہ یا جاسوس

ہُدہُد کی اطلاع کے الفاظ درحقیقت تیر و نشتر ہیں۔ اول تو ایک پرندہ اپنے علم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتلا رہا ہے اور ساتھ ہی حضرت سلیمانؑ کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ آپ خود کو صاحبِ جاہ و چشم سمجھتے ہیں لیکن میں نے ایک عورت کو (جو فطرتاً" مرد کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے) دادِ حکمرانی دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ جس کو اس قسم کے اسباب و وسائل حاصل ہیں جس طرح تم کو حاصل ہیں اور مزید برآں یہ کہ اس کے پاس ایک عرشِ عظیم بھی ہے۔)

(چٹان 58/12 22 صفحہ 10 کالم نمبر1 و نمبر2)

اس طویل اقتباس میں سیدنا سلیمانؑ کے تأثرات کی جن الفاظ میں منظر کشی کی گئی ہے اس کا بخوبی احساس کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال یہاں بھی طیر کی مناسبت سے ہُدہُد نامی' گھڑ سوار (اور سالار) جو حضرت سلیمانؑ کے لئے جاسوسی و خبر رسانی کرتا تھا اور محافظ خاص بھی تھا' اس کو پرندہ ہی بنا دیا گیا ہے کیونکہ ایک پرندے کا نام بھی ہُدہُد ہے جو اپنی توانا چونچ سے درختوں کے تنوں میں سوراخ کرتا رہتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں پھر ان لوگوں کو مغالطہ لگ گیا ہے۔ اصراح جو لغت کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ اسی نام کا یمن میں ایک قبیلہ ہے (جلد اول----- مطبع نول کشور) قبیلہ نہ ہوتو بھی انسان ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ شام کا ایک مشہور

سردار جسے عاشور کے بادشاہ سلمنسر III 859 ق م تا 824 ق م) نے جنگ "قرقر" میں مار بھگایا تھا اس کا نام بھی ہُدہُد تھا-----

سلاطین اول 11/14 میں مدین کے ایک شہزادے کا نام بھی ہُدہُد (8 ق م) ہی بتلایا گیا ہے۔

سلیمانؑ کے مفتوحہ ملک سباء کی ملکہ بلقیس (968 ق م) کے چچا کا نام بھی مفسرین نے ہُدہُد لکھا ہے بلکہ ڈاکٹر پوپاک کی تاریخ میں لکھا ہے کہ ملکہ بلقیس کے والد کا نام ہُد ہاد بن شرجیل تھا بلکہ زرکلی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

(الاعلام نعد کلی طبع دوم قاہرہ جلد 151/2)

یہ ہُدہُد' والد ہو یا چچا اس سے شک کا فائدہ اٹھا کر ہُدہُد کی انسانیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ اور وہ بھی قبل از اسلام کے واقعات پر مشتمل ہوکر محدثین کے ذاتی معیارات کو ملحوظ رکھ کر جائزہ نہیں لیا جاسکتا' علاوہ اس کے کہ حضرت سلیمانؑ (978 ق م) کے ایک ہم عصر حمیری بادشاہ کا نام بھی ہُد ہاد بن شرجیل تحریر کیا گیا ہے (اور ناموں کا توارد کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے)

(مرتضیٰ زبیدی 1791 بحوالہ تاج العروس)

الغرض تاریخ نے اتنے انسانی "ہُدہُدوں" کو محفوظ کر

رکھا ہے کہ ان کی موجودگی میں سلیمانؑ کے ہُدہُد کو پرندہ کہنا حقیقت کا مذاق اڑنا ہے بلکہ انسانی ہُدہُدوں کو دیکھتے ہوئے اہلِ تحقیق نے پورے عزم و اعتماد کے ساتھ تصریح کی ہے کہ سلیمانؑ کا ہُدہُد۔ حقیقت میں انسان ہی تھا۔ اسے بعض خصوصیات کے پیشِ نظر صرف "رمزی" طور پر طیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(بحوالہ۔ معرجہ القرآن۔ طبع قاہرہ جلد 228/2)

کیونکہ جس ہُدہُد کو نہ پاکر سلیمانؑ نے جس طرح کے غیض و غضب اور خفگی کا اظہار فرمایا تھا وہ یہی لکڑی کو چونچ مارمار کر سوراخ کرنے والا چوب تراش (CARPENTER) پرندہ نہیں تھا وہ ذی شعور، ذی عقل، شریعت و قانون کا مخاطب انسان ہی تھا کہ انسانوں ہی کو غلطی یا کوتاہی پر تادیبی تازیانہ رسید کیا جاسکتا ہے۔ حیوانات جو کہ عقل و شعور کے مکلفات سے بے نیاز ہوتے ہیں انہیں ڈرانے، دھمکانے کے لئے انسانی انداز اختیار نہیں کیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلیمانؑ کا روئے سخن کسی پرندے کی طرف نہیں تھا اپنے کسی بااعتماد سپاہی کی طرف تھا۔

ھُدھُد کے اتنے تعارف کے بعد متعلقہ آیت کا ترجمہ پیش خدمت ہے پڑھئے اور وجد فرمایئے۔ ارشاد ہے

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ 27:20-21

سلیمانؑ جب افواج کا جائزہ لینے کے لئے تشریف لائے (تو معلوم ہوا سرِعسکر) ہُدہُد غیر حاضر ہے تو یہ کہہ کر برہمی اور شدید خفگی کا اظہار فرمایا کہ اگر یہ غیر حاضری کا کوئی مضبوط بہانہ پیش نہ کرسکا تو اس کی غیر حاضری کا شدید نوٹس لیا جائے گا پھر سنگین سزا ہوگی یا تختہ موت۔

ایک اعتراض

کچھ لوگوں نے جانوروں کی عاقلیت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہُدہُد پرندہ ہی تھا۔ جی نہیں! پرندوں کی عاقلیت اگر انسانوں ہی کی عاقلیت جیسی ہوتی تو ان میں نبوت بھی ہوتی اور احکام بھی چلتے اور قرآن میں بیوقوفوں کو جانوروں سے **تشبیھہ** دے کر (کالانعام) فہم و شعور سے محروم نہ کہا جاتا (اعراف، 179) لہٰذا اس طرح کے سطحی اعتراضات خانہ پُری کی حد تک تو کام دے سکتے ہیں کسی حقیقت کی تخلیق نہیں کرسکتے۔ غیر انسانی مخلوق میں جس قسم کے خواص، عادات و اوصاف ودیعت کئے گئے ہیں وہ ان کی "جبلّت" کا جُزوِ لاینفک ہیں اور جبلّت ہی اُن کے لئے عقل ہے، شعور ہے، وحی ہے۔ (النحل، 8) اور الہام ہے (الشمس، 8) ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ لا محالہ انسانی عقل ہی کی حامل ہوں اور کوئی مناسبت نہ ہونے کے باوصف ان میں انسانوں کے وصف پائے جاتے ہوں جبکہ وہ عقل و شعور سے بھی فارغ ہیں اور "مُرکّب آواز" نکالنے سے بھی محروم

دابۃ الارض

واقعاتِ سلیمانؑ میں "دابۃ الارض" کا ذکر کرتے ہوئے استدلال فرمایا گیا ہے کہ۔

انسان کے علاوہ دیگر حیوانات کے لئے بھی نطق اور کلام ثابت ہے وغیرہ۔ دابۃ۔ وحی کی زبان میں درجنوں مقامات پر استعمال ہوا ہے اور ہر مقام پر اس کے معنے صرف "جاندار" کے آئے ہیں۔ سورۃ سباء میں جہاں اِس کا ذکر ہے اُس کے الفاظ یوں ہیں۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ۔ 34:14

جب سلیمانؑ پر موت مسلط ہوگئی تو اس کا پتہ کسی کو بھی نہ چل سکا تاآنکہ دآبۃ الارض نے دلیل فراہم کردی۔

(سباء' 14)

وہ کہتے ہیں کہ دآبۃ کا بولنا اگر تسلیم نہ کرلیا جائے تو "دَلَّھُمْ" کا فعل بے معنی ہوجاتا ہے۔ وغیرہ

جی نہیں----- کیا اپنے استدلال میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جانور' سلیمانؑ کے علاوہ دیگر لوگوں سے بھی باتیں کرتے تھے ؟ اگر ایسا ہے تو پھر آنحضرتؐ کا وہ "خصوص" کہاں رہا جو جانوروں کی بولیاں بولنے اور سمجھنے کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ "دَلّ" عربی میں نشاندہی اور قرینے کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ قرینے کے لئے زبان نہیں ہوتی۔ اس طرح آیت کے معنے ہوں گے کہ سید موصوف علیہ السلام کی موت کسی زمینی مخلوق نے قرینہ فراہم کردیا۔

عربی میں ہر متنفس کو دآبۃ کہا جاتا ہے (ہود' 6) اس طرح کسی خاص نام اور حلیہ سے مشخص وجود کو دآبۃ کا نام نہیں دیا گیا۔ لیکن جو حضرات کچھ زیادہ ہی جانور صفت واقع ہوئے ہیں وہ مفسر **ثعلبی** (35 ق م) ابن جریج (767 م) اور ابوہریرہ حیفہؓ (679 م) کے حوالہ سے اس کا حلیہ اس طرح کا بیان کرکے اسے انسان ثابت کرتے ہیں۔ اس عجیب الخلقت جانور کے چار پاؤں ہوں گے اور جسم پر بال ہوں گے۔ سرابیل کا' آنکھیں خنزیر کی' کان ہاتھی کے' سینگ اونٹ کے (اونٹ کے سینگ ؟) گردن شتر مرغ کی' سینہ شیر کا' رنگ چیتے کا' کمر بلّے کی' دُم مینڈھے کی' سم اونٹ کے (سم ؟ اونٹ کے سم' ٹانگ کے جوڑوں کا فاصلہ آدم کے ہاتھ سے بارہ ہاتھ کا لمبا فاصلہ ہوگا۔ قد کی اونچائی آدم کے ساٹھ ہاتھ کی ہوگی۔ نیز بادلوں کو مس کرے گا اور دونوں سینگوں کے مابین کا فاصلہ تین میل لمبا ہوگا (یعنی کہ وہ تنہا اپنی ذات میں پورا چڑیا گھر ہوگا)

(بحوالہ تفاسیر معتدالہ)

کہتے ہیں

کہ یہ کعبۃ اللہ سے خروج کرے گا بلکہ صفا پہاڑی کے نزدیک "داربنی مخزوم" سے عین اس وقت خروج کرے گا جب مسیحؑ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ طوافِ کعبہ کر رہے ہوں گے۔ اس کے خروج کے وقت زمین پر سخت بھونچال آئے گا۔

(کشاف طبع قاہرہ جلد 3 / 302 / 1 تا 19) نیز
تفسیر رازی طبع عبدالرحمان قاہرہ جلد 218'217/24

اسی دآبۃ کی بابت یہ بھی لکھا ہے کہ

یہ پہلے یمن سے خروج کرکے غائب ہوجائے گا اور عرصہ بعد جزیرۃ العرب کے شمالی علاقے (غالباً بیت المقدس) سے نکلے گا۔ اس کے پاس سلیمانؑ کی انگشتری اور موسیٰؑ کا عصا ہوگا وہ جس کی پیشانی پر عصا ماردے گا اگر سفید رنگ کا نشان پڑ گیا تو وہ پھیلتے پھیلتے تمام پیشانی کو منور کردے گا اور وہ مسلمان متصوّر ہوگا اور اگر پیشانی پر سیاہ دھبّہ پڑ گیا تو وہ پھیل کر ساری پیشانی کو سیاہ کردے گا اور وہ شخص کافر شمار ہوگا۔ (تفاسیر متداولہ)

یعنی اسے مسلمان اور کافر بنانے کی توانائی بھی حاصل ہوگی۔

یہ دآبۃ انسان ہی ہوگا

جس دآبّہ کی خصوصیات اور حُلیہ مفسروں نے بیان کیا ہے ان کی تاویلات کے برعکس وہ انسان ہی ہوگا۔ مخدومی امام اہل الحدیث الشیخ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (1948 م) نے دآبۃ الارض کے معنے----- "نبیؑ" کے لکھے ہیں۔

(تفسیرالقرآن بکلام الرحمان (عربی) مطبوعہ 1320 ہجری صفحہ 330)

یہ دآبہ دُم دار نہ ہوگا بلکہ داڑھی والا ہوگا یعنی انسان ہوگا (معالم) اس روایت کے مطابق معنے یہ ہوں گے کہ جب دنیا میں گمراہی زیادہ ہوجائے گی تو خدا کوئی مردِ صالح پیدا کردے گا جو لوگوں کو بے ایمانی پر ملامت کرکے ان کو ہدایت کرے گا۔

(تفسیر ثنائی اردو طبع امرتسر جلد 43/6)

یہاں تفسیر معالم التنزیل مصنفہ امام بغوی (1123 م) کے حوالہ سے دآبہ کو داڑھی والا کہا گیا ہے یعنی داڑھی کو انسان کا استعارہ بنایا گیا ہے جبکہ داڑھی بکرے اور تبت کے "یاک" کے بھی ہوتی ہے لیکن جانوروں کے بڑھے ہوئے بالوں کو عرف عام میں داڑھی نہیں کہا جاتا لہٰذا داڑھی انسان ہی کا لازمہ ہے۔"

علامہ محمود احمد حجازی لکھتے ہیں----- **وفی ظنی واللہ اعلم ان تلک الدابہ عالم بکتاب اللہ و سنتہ رسولہ واحکام شر عیظهر فی هذا الوقت الذی یقل فیہ العلماء**

میرے نزدیک دآبۃ ایک انسان ہی ہوگا جو علومِ اسلامیہ کتاب و سُنّت اور احکامِ شرع کا عالم ہوگا اور اُس وقت ہی اس کا ظہور ہوگا جب علم و اہلِ علم توڑنے لگیں گے۔ اس سے پہلے علامہ حجازی نے یہ تأثر دیا ہے کہ یہ جو مفسروں اور قصہ گوؤں کی مضمون آفرینیوں کی بدولت تفاسیر میں دآبۃ سے متعلق خرافات کے طومار ملتے ہیں بلکہ اس کی بعض احادیث کے سہارے اس کی عجیب الخلقی کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے۔ خیال آفرینی اور خود اختراعی کا شاہکار ہے۔

(تفسیر "الواضح" طبع قاہرہ جلد 20 / 13 - 12)

ناقدین نے دآبہ کو مشہور معنی میں خیالی مخلوق بناکر جس غیر علمی انداز سے اپنا مُدّعا ثابت کیا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔اسی طرح اسے مہدی اور مسیح کے انتظاری زمرے میں شامل کرنے والے بھی دلیل و بُرہان کی روشنی سے عاری ہیں۔ وہ علم و دانش کے ہوتے ہوئے بھی انتظاری عقیدے کی فتنہ پردازیوں سے مسحور ہیں۔ انہیں ہم کہیں تو کیا کہیں۔ سمجھائیں تو کیا سمجھائیں ؟ یہ لوگ احادیث کے سہارے نبوتوں کے روشندان اور کھڑکیاں دانستہ کھول کر "ختمِ نبوت" کا دَر غلط انداز سے بند دکھلانا چاہتے ہیں جبکہ اس دوغلے پن سے محمدؐ کے شیدائی قرآن کی صراطِ مستقیم کی طرف لوٹ ہی نہیں سکتے۔

نظر باز گشت

قارئین محترم میرے مضمون وادئ نمل کی ہشیار ملکہ پر محترم وصی مظہر ندوی سابق امیر جماعت اسلامی حیدرآباد' کی تنقید آپ نے ملاحظہ فرمائی اور میرا تعاقب بھی آپ کی نظر سے گذرا۔ اب انصاف کا ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ دلائل کے تقابلی مطالعہ سے آپ خود ہی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آچکے ہیں۔ یہاں نہ ذہنی اکراہ سے کام لیا گیا ہے نہ

ہی کسی طرح کے دجل و فریب سے کسی کو مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نملہ و منطق الطیر کی دونوں تشریحیں آپ کے سامنے ہیں اور دونوں ہی مفسّروں کی تراوشِ فکر سے مزین ہیں۔ اسی طرح طیر کے مفاہیم بھی سامنے لائے گئے ہیں۔ یہاں لغت، استعمالاتِ عرب اور قرآنِ محکم کی متنوّع تصریحات سے بھرپور استفادہ کرکے اپنے مفہوم کو زیادہ مدلّل بنادیا گیا ہے۔ اس کے لئے محنت و کاوش کا بخوبی احساس کیا جاسکتا ہے۔

اب اگر تو آپ پر حقیقت منکشف ہوگئی تو میرا مقصد پورا ہوگیا لیکن اگر اب بھی ذہن پر خلجان مستولی ہے تو گذارش کروں گا کہ اسے دُور کرنے کی کوشش فرمایئے۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

قارئینِ محترم! نسیان کہئے یا سہوِ قلم کہ میرے مضمون میں **لایشعرون** کی تشریح نہ ہوسکی اور یہ اعتراض نمودار ہوا کہ نمل والے اگر انسان ہوتے تو سلیمانیؑ افواج انہیں لاشعوری طور پر لقمۂ ہلاکت نہ بنا سکتی تھیں۔

ایک صاحبِ ذوق محترم محمد اسلم بٹ نے ایک خط کے ذریعہ متوجّہ فرماکر مضمون میں تشنگی کا احساس دلایا ہے۔ میں ان کا شکر گذار ہوں۔بٹ صاحب لکھتے ہیں۔ "وادیٔ نمل کی ہشیار ملکہ کے مقالے میں **لایشعرون** کا جو ترجمہ کیا ہے اور جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ ذہن اس کی صحت کو قبول کرنے میں جھجک محسوس کر رہا ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ ملکہ نے سلیمانیؑ افواج کے غیر شعوری ضرور رسانی سے بچنے کے لئے قوم سے کہا تھا۔ اے قوم نمل اپنے اپنے گھروں میں محفوظ ہوجاؤ (کوئی بھی باہر نہ نکلنے پائے) ایسا نہ ہوکہ سلیمانؑ اور اس کی فوجیں ایک مسلح تصادم میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو کچل دیں اور انہیں علم تک نہ ہو۔ قرآنی الفاظ اور اس کے پیش کردہ ترجمے سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیونٹیاں ہی ہوسکتی ہیں"

یہ خط اپنے مفہوم میں واضح ہے اور میں صرف اتنا ہی عرض کرسکتا ہوں کہ جہاں تک انسانوں کی بڑی تعداد کا حملہ آوروں کے ہاتھوں کچلے جانے کا امکان ہے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے قرآنِ محکم نفسیاتِ جنگ سے متعلق فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ 27:34

حملہ آور ملوک جب کسی آبادی پر حملہ آور ہوجاتے تو پوری بربادی لاتے ہیں اور شرفاء کو ذلّت و رسوائی سے دوچار کر ڈالتے ہیں کہ وہ ایسا ہی کرتے رہتے ہیں۔

اور چونکہ ان دونوں سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ حملہ آوروں کی مزاحمت نہ کی جائے چنانچہ وادیٔ نمل کی ملکہ نے اپنی قوم اور اپنے وطن کو بچانے کا یہی نفسیاتی حربہ اختیار کیا۔ (نمل، 18) میں اس کامیاب تدبیر کا ذکر اور ملکہ کے خطاب کا ذکر ہے۔ تاہم (نمل، 34) میں جنگ میں ظہور پذیر ہونے والے نتائج کو سامنے لایا گیا ہے کہ وہ کوئی خوشگوار نہیں ہوتے اور حملہ آوروں کو علم ہوتا ہے کہ سبھی لوگ نہ جنگجو ہوتے ہیں نہ صلح جو، مگر حملہ کے بعد طالبانِ صلح کو بچ جانے کے چانس دینے کا شعور تک نہیں رہتا اور وہ بلاوجہ مارے جاتے ہیں کیونکہ رَن کا تصوّر جب گھمسان کا پڑ جائے تو باقصور اور بے قصور

باقی نہیں رہتا۔ شناسا اور ناآشنا برابر ہوجاتے ہیں۔ جنگجو اور صُلح جُو کا فرق مٹ جاتا ہے۔ وفادار اور بے وفا کی بات نہیں رہتی۔ حامی اور مخالف کا احساس بھی پروان نہیں چڑھتا۔ اس وقت حرب اعمٰی (بے ہنگم لڑائی) زوروں پر ہوتی ہے۔ لا علمیت' بے خبری اور لاشعوریت کا دَور دَورہ ہوتا ہے۔ تلوار کی آنکھ نہیں ہوتی جو سامنے آتا ہے اس پر وار کرگزرتی ہے۔ اُس وقت اخلاقی ضوابط ٹوٹ جاتے ہیں۔ خویش و بیگانہ' قریب اور بعید کا رشتہ کٹ جاتا ہے۔ یہ صرف قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ وہ ایسے نازک لمحوں میں بھی حملہ آوروں کو کھیت کھلیانوں اور آدم زادوں کو فنا کے گھاٹ اُتارنے کی بجائے "یلغار آور" پروگراموں کو رُکوا کر "مفاہمت" کی پالیسی عطا فرماتا ہے۔ جنگِ حدیبیہ' صُلحِ حدیبیہ' میں اس لئے بدل دی گئی کہ حملہ آور صحابہ رسولؐ میں سبھی اہل مکّہ نہیں تھے جو یہاں کے محصور مسلمانوں کو جانتے ہوتے۔ ان میں نووارد لشکری صحابہ کی ٹولیاں بھی تھیں جو نہ تو پہلے سے مکہ کی گلی کوچوں سے آگاہ تھے اور نہ ہی محصور مسلمانوں کو جانتے تھے۔ ایسے میں اشارۂ الٰہی ہوا کہ ----- معاہدۂ امن خواہ گھاٹے ہی کا کیوں نہ ہو کرلیا جائے تاکہ محصور مسلمانوں مردوں اور عورتوں کو لاشعوری اور بے خبری کی تباہ کاریوں سے محفوظ کرلیا جائے۔ فرمایا۔ **وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ** 48:25
اور اگر اُس وقت مکہ میں ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن سے تمہاری پہلے سے کوئی آشنائی نہ تھی اور ایسے میں تم چڑھائی کرا دیتے تو (بے خبری میں ہوتا یہ کہ تم) انہیں بھی روندتے چلے جاتے اور (ایک گونہ مسلمانوں کو مارا) تم خود ہی نقصان میں رہجاتے۔

اس آیۂ مبارکہ میں ایک تو "**تَعْلَمُوهُمْ**" کا لفظ قابلِ غور ہے جو کچلے اور روندے جانے سے تعبیر ہے جبکہ محصور مسلمان جسامت کے لحاظ سے اتنے بھی "رڈیوز" نہیں تھے کہ حملہ آوروں کو ان کے وجود کا پتہ ہی نہ چل سکے اور وہ بے خبری میں ان کو فنا کے گھاٹ اُتار ڈالیں۔ یہاں لفظ "**تَطَئُوْ**" دراصل محصورین کی کمزوری کا استعارہ ہے۔ یعنی کہ حملہ آور ہمیشہ طاقت ور ہوتے ہیں اور محصورین ہمیشہ کمزور۔

دوسرے الفاظ۔ **لَمْ تَعْلَمُوهُمْ** اور **بِغَيْرِ عِلْمٍ** اُس حالتِ جنگ کی کیفیت کے غمّاز ہیں جبکہ نصب العین صفوں کو پچھاڑنا اور شکست سے دوچار کرنا ہوتا ہے۔ اس وقت بھی لڑنے والے کو یہ ہوش نہیں ہوتی کہ مقابل میں آنے والا کون ہے۔ ؟ اُمید ہے میرا مفہوم واضح ہوگیا ہوگا۔

قارئینِ محترم! یہ عجیب اتفاق ہے کہ سیّدنا سلیمانؑ کی لشکر کشی کے دوران جزیرۃ العرب کے جنوب میں جو دو سلطنتیں تھیں دونوں کی حکمران عورتیں ہی تھیں۔ دانش اور فرزانگی کی فراوانی نے دونوں کی سوچ میں یکسانیت' ٹھہراؤ' اعتدال اور معاملات کو ناخنِ تدبیر سے حل کرنے کی صلاحیت پیدا کردی تھی۔ ملکۂ یمن بلقیس نے جنگ کے ہولناک نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے قوم کو حملہ آوروں سے محفوظ کرلیا تو ملکۂ نمل نے بھی ایسے ہی نتائج کو سامنے رکھ کر قوم سے کہا کہ ----- شہر کو کھلا چھوڑدو۔ گھروں میں بند ہوجاؤ۔ حملہ آور جنگ آوری سے خود ہی ہٹ جائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالغفور (انجم)

مغرب کی ثقافتی یلغار' بالخصوص فحاشی کا' مقابلہ قرآنی حوالہ سے

(یہ مضمون کنونشن 95ء میں بزم مذاکرہ میں پڑھا گیا)

مذکورہ موضوع تفکر کی وسیع وادیوں کی جادہ پیمائی کا محرک ہے' مگر محدود صفحات کی قدغن اجمال پر بھی مجبور کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں سب سے پہلے لفظ فحاشی کی اصطلاح کو زیر بحث لانا ہے۔ پھر مغرب کی اس لعنت کے سدِباب کے لئے نسخۂ کیمیا سے رجوع کرنا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے۔

"اے نبیؐ لوگوں کو بتا دیجئے کہ میرے ربّ نے ظاہر اور خفیہ فحاشی و بے حیائی کے تمام کام حرام قرار دے دیئے ہیں۔" (سورہ الاعراف : 33)

فاحشہ کا لفظ فحش سے نکلا ہے جس کے معنی بے حیائی' بے شرمی' بدمعاشی' گندے' ناپاک کام' بیہودہ حرکتیں اور ناز نخرے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں ہر ایسے برے کام کے لئے بولا جاتا ہے جس کے اثرات برائی اور فساد پر مبنی ہوں۔ عریانی' ننگا پن' آوارگی' بدقماشی' خواہ مردوں کی جانب سے ہو یا عورتوں کی جانب سے' سب کام فحاشی کے ہیں۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے۔

"بے پردگی فحاشی۔" (سورہ انعام : 151)

قرآن بتاتا ہے کہ بدکاری کا محرک بننے والی سب سے پہلی چیز عریانی ہے۔ سورۂ اعراف کی آیت نمبر27 میں برہنگی کو فحش کاموں میں شمار کیا گیا ہے۔ انسان کو شکار کرنے کے لئے اس کے ازلی دشمن شیطان کے ترکش میں سب سے زہریلا تیر یہی ہے۔ سورہ اعراف کی آیت نمبر20 تا 24 کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان نے آدمؑ اور ان کی بیوی پر یہی حربہ آزمایا۔ 20 ویں آیت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ۔

"پھر شیطان نے انہیں بہکایا تاکہ ان کے جسموں کے ان حصوں کو کھول دے' جو ایک دوسرے سے چھپائے گئے تھے۔ شیطان نے کہا کہ تمہارے ربّ نے تمہیں اس درخت سے اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ یا دائمی زندگی نہ حاصل کرلو۔" (سورہ اعراف : 20)

انسان کو نیچا دکھانے کے لئے شیطان اس کے

خلاف اپنا حربہ تاریخ کے ہر دور میں استعمال کرتا آرہا ہے اور ترقی کے بامِ عروج پر پہنچنے والی تمام تہذیبیں بالآخر عریانی و فحاشی کے نتیجہ میں زمین بوس ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ پوری بنی نوعِ انسان کو اس فتنے سے متنبّہ کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ اب اپنے بُرے بھلے کا فیصلہ خود اسکے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے۔

"اے بنی آدم' ایسا نہ ہوکہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کردے' جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس اُتروا دیئے تھے تاکہ ان کے جسم کے پوشیدہ حصے ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔ شیطان اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لائے۔"

(الاعراف آیت : 27)

یہ ایمان نہ لانے والے لوگ کون ہیں ؟ اور شیطان کن لوگوں کا سرپرست ہے! تو پڑھیئے۔

مغربی تہذیب کی برق پاشیوں اور جلوہ سامانیوں نے اہلِ مشرق کو عموماً" اور مسلمانوں کی نظروں کو خصوصاً" خیرہ کیا ہے۔ گذشتہ نصف صدی سے بے حجابی نے جس سیلِ رواں کی شکل اختیار کی ہے۔ اس نے ہماری قومی' تہذیبی اور مذہبی اقدار کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا ہے۔ علم طبیعات کی ماہر خاتون مسز ہڈسن رقمطراز ہیں :

"ہماری تہذیب کی دیواریں منہدم ہونے کو ہیں' اس کی بنیادوں میں ضعف آگیا ہے اور اس کے شہتیر ہل رہے ہیں۔ نامعلوم یہ ساری عمارت کب پیوندِ خاک ہو جائے۔ ہم گذشتہ کئی سالوں سے دیکھ رہے ہیں کہ لوگ نظم و ضبط کی پابندی کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ اس کی بقا صرف ایک ہی صورت میں باقی رہ گئی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی لگا دیا جائے۔ کیونکہ اس تہذیب کے لوگوں کی تمام ترجیہات آزادانہ جنسی تعلّقات' قحبہ پروری' عصمت فروشی اور جنسی خواہشوں پر مرتکز ہو کر رہ گئی ہے اس معاملے میں اور بھی طرح طرح کی بے اعتدالیاں دیکھنے میں آئی ہیں۔ انسانی صلاحیتوں کا یہ زیاں بڑا ہی تشویشناک ہے۔ جنسی تعلّقات کی یہ نوعیت اور اس کے بدترین آثار و نتائج دیکھ کر ہمارے ذہن میں یہ سوال اُبھر آتا ہے کہ آیا یہ ہماری تہذیب کے ملیامیٹ ہونے کے شواہد ہیں یا اسباب۔ میری رائے میں آثار و شواہد بھی اور اسباب بھی۔"

یہ تو تھے مغرب کی پیدا کردہ فحاشی کے اثرات بقول مغربی مصنفہ۔ اب اس سلسلہ میں امریکی پروفیسر "پٹیریم ساروکن" کے تأثرات جو ان کی معروف کتاب "امریکی جنسی کتاب" میں درج ہیں۔

"جنس کے عظیم سیلاب نے ہمیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ یہ ہماری معاشرتی زندگی کے ہر خانے میں گھس آیا ہے۔ امریکہ کی سیاسی زندگی شہوانیت کی لہروں کی زد میں آچکی ہے۔ اور جنسی رشوت اور جنسی استحصال ایسے ہی عام ہوچکے ہیں جیسے مالی رشوتیں۔ جنسی طور پر بدنام شخصیات اور ان کے پٹھو سفارتی عہدوں پر ہیں۔ جنسی جرائم میں اضافہ' ریڈیو' ٹی وی' ادب اور آرٹ' تجارت اور اشتہارات غرض ہر شعبے میں امریکیوں میں جنس کا زور ان کے حق میں تباہی کا پیش خیمہ ہے۔"

مغرب میں عریانی و فحاشی اور جنسی بے راہ روی کے اثرات و نتائج پر میں نے بحث ذرا طویل کر دی۔ مگر کہتے ہیں کہ مجرم کا چہرہ بے نقاب کرنے کے لئے جتنے ثبوت فراہم ہوسکیں کم ہوتے ہیں۔ میں نے مغرب کا حقیقی چہرہ بے نقاب کرنے کی سعی کی ہے۔ تاکہ اس کے حسین و جمیل چہروں کے متوالوں کو اس کے باطن میں پیدا ہونے والی غلاظت اور تعفن کا بھی اندازہ ہوسکے۔

اب ایک نظر مغربی تہذیب کے ان اثرات پر جو بیرونی ممالک پر پڑھ رہے ہیں۔

امریکن انسٹیٹیوٹ' انٹرپرائزز انسٹیٹیوٹ کی سرپرستی میں ہونے والی کانفرنس (منعقدہ 10 مارچ 1992ء) میں ڈاکٹر واٹر برنس پروفیسر جارج ٹاؤن یونیورسٹی (واشنگٹن) کا اقتباس جو ان کی تقریر سے اخذ کیا گیا ہے۔

"راک میوزک' ہالی وڈ کی فلمیں اور دوسرے تفریحی پروگرام جو امریکہ باہر کے ملکوں کو بھیجتا ہے۔ وہ نہ صرف وہاں کے معاشرے پر بہت مضر اثرات چھوڑتے ہیں بلکہ امریکی معاشرے کے تصوّر کو بھی داغدار کرتے ہیں۔" (کرسچین مانیٹر)

مندرجہ بالا بیان اس حقیقت کی غمّازی کر رہا ہے کہ مغربی ثقافتی یلغار کے جو نقصانات ہم کو ہو رہے ہیں وہ ناقابلِ بیان ہیں اور خود مغرب کو اس کا احساس ہے۔ مگر ہمارا بے حس طبقہ' معلوم نہیں کس سراب میں زندگی بسر کر رہا ہے حالانکہ ان کا تو پختہ ارادہ ہے کہ۔۔۔

فکرِ عرب کو دیکر فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
(اقبالؒ)

لیکن یاد رکھنا کہ۔۔۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
(اقبالؒ)

مغرب کے دلدادہ' ذرا نسخۂ کیمیا کا اعلان بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی ملّت کی پیروی نہ کرو۔"

(البقرہ : 120)

اور

"اے پیغمبرؐ ان منافقوں کو دردناک عذاب کی وعید سنا دو جو مسلمانوں سے ہٹ کر کافروں سے دوستی کر رہے ہیں۔ کیا وہ ان کے ہاں عزّت کی تلاش رکھتے ہیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔" (سورۃ النساء : 139)

اور

"یہود و نصاریٰ اور مشرک ہمارے کبھی بھی دوست نہیں ہوسکتے جو ان کی چکنی چپڑی باتوں میں پھنس جائے گا وہ ہمیشہ بے نیل و مُرام رہے گا اور تباہ و برباد ہوجائے گا۔"

ساحرِ اَلْمُوْط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخِ نبات
(اقبالؒ)

اس "مغربیت" کا تانا بانا مادیت پرستی' رقص و سرود' رشوت و سود' ملوکیت و سرمایہ داری' سمگلنگ و چور بازاری' طبقاتی و علاقائی کشمکش' فسادِ قلب و نظر' یزداں ناشناسی' آدم فریبی اور مے و خمار و ہجومِ

زنان بازاری۔۔۔۔۔ کے اجزائے ترکیبی سے بنایا گیا ہے۔ اس تہذیب کا شیشہ "لا" سے لبالب ہے جس نے ملتِ ابراہیم" کو پیانۂ "اِلّا" سے محروم کردیا ہے۔

"المختصر"

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اُس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں۔

اب فحاشی کے نقصانات پر ایک طائرانہ نظر:
فحاشی کا یہ گھن تمام ذہنی و جسمانی قوتوں کو کھا جاتا ہے جو قدرت نے انسان کو ترقی اور زندگی کے لئے عطا کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ہر طرف سے شیطانی محرکات میں گھرے ہوئے ہوں' جن کے جذبات کو ہر آن ایک نئے اشتعال سے سابقہ پڑے۔ جن کے خون کو عریاں تصویریں' فحش لٹریچر' جنسی گانے' ہیجان پیدا کرنے والے ناچ' عشق و محبت کی فلمیں اور صنف مقابل سے مڈبھیڑ کے مواقع پیہم ایک جوش کی حالت میں رکھتے ہوں وہ کہاں سے امن و سکون اور اطمینان لاسکتے ہیں۔ ہوش سنبھالتے ہی نئی نسل کو سفلی خواہشات کا دیو دبوچ لیتا ہے۔ پھر اس کے چنگل میں پھنس کر ان کی ذہنی و اخلاقی تربیت کیسے ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں مریم جمیلہ (نو مسلمہ) نے اپنی کتاب

(Islam In Theory And Practice)

(اسلام' ایک نظریہ' ایک تحریک) میں تحریر کیا ہے' "اسلامی معاشرے کے لئے لازمی ہے کہ اختلاطِ مرد و زن کو روکے' غیر اخلاقی کتابوں' اخبارات و رسائل' تجارتی اشتہارات میں عریاں تصاویر کی اشاعت پر پابندی عائد کرے۔ اسلام کی اخلاقی قدروں کے لئے "سینما" کی موجودہ صنعت سے بڑھ کر زہر ہلاہل اور کوئی شے نہیں ہے۔ اس لئے اخلاق کش' حیاسوز اور فحش فلمیں بند کردی جائیں' سینما اور ٹیلی ویژن کو صرف تعلیمی مقاصد تک محدود رکھنا چاہئے۔"

یہ مسلم قوم جسے ہمیشہ اپنی جنسی پاکیزگی اور اخلاقی سچائی پر ناز رہا ہے' اب مغرب سے ایسا جواء کھیلنے پر مجبور ہوچکی ہے۔ ہم نے اپنی عزیز بستیوں سے سونے کے ڈلے اکھاڑ کر دے دیئے یہ دیکھ کر کہ وہ چمکدار نہ تھے اور ان کے بدلے لوہا سمیٹ لیا کہ وہ چمکدار نظر آیا۔ ہیرے دے دیئے اور کنکر سمیٹ لئے۔ اخلاق دے دیئے اور کم مائیگی لے لی' حمیت دے کر خود غرضی اپنا لی' حیا دے کر فحاشی قبول کرلی' انسانیت دیکر حیوانیت حاصل کرلی' پاکیزگی دیکر جنسی انارکی لے لی۔

بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

پھر مغربی تہذیب کا ماحصل تسکینِ ہوس کے سامانوں کی فراہمی ہے۔ یہ دوکانیں اور ان میں یہ چیزیں یہ ساز و سامان' یہ تکلّفات' یہ زرق برق' یہ تصنع' یہ سرخیوں کی تہوں میں سیاہ کاریاں' یہ اُونچی ایڑیوں کی آڑ میں پست ذہنیتیں' یہ غازہ زدہ سفید چہروں کے پیچھے سیاہ پتھر دل' یہ سجے دھجے سروں میں رینگتے گھناؤنے خیالات' یہ صاف ستھرے کپڑوں میں مکروہ اور عریاں حیوانیت۔۔۔۔۔ یہ کاروبار' یہ چہل پہل' یہ گرمیٔ بازار۔ کیا اس کے دم سے نہیں ہے جو قوموں کی ماں تھی اور آج قوموں کے لئے گھن بن چکی ہے۔

برناڈشا کا قول ہے کہ "بگاڑ و فساد' صنفین کے

غیر قانونی ملاپ کا نام ہے۔" اور اب نفسیات سے بھی یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ ابنِ آدم اور بنتِ حوّا جب بھی مل بیٹھیں گے "شجرِ ممنوعہ" کی طرف ضرور پیش قدمی کریں گے۔

مختصراً" فحاشی و عریانی کے نقصانات ! قرآن مجید کے مطابق :

"جس قوم میں جنسی بدنہادی عام ہوجائے اور اخلاقی ضوابط اور پابندیوں سے بے اعتنائی برت کر فحاشی اور بے حیائی کا شیوہ اختیار کرلیا جائے، اس قوم کی کشتی بحیرۂ مردار میں ڈوب جاتی ہے۔ قوم لوط کا انجام اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔" (7:80_84/11:69_84)

یہ تو تھا فحاشی کی تباہ کاریوں کا خاکہ۔ اب ضرورت ہے اس کے انسداد کی تو ہم کس سے رجوع کریں ؟ دین اسلام ہر مسئلہ کے حل کے لئے قرآن سے رجوع کرنے کو کہتا ہے۔ کیونکہ'

اخلاق کی لازوال قدریں'
شعور کی زندگی افزا کرنیں'

اور زندگی کی فلاح کے اٹل اصول ہاتھ آسکتے ہیں تو صرف نسخۂ کیمیا سے' اس سوال کا جواب واضح طور پر نسخۂ کیمیا کی مندرجہ ذیل آیات فراہم کرتی ہیں۔

"اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے تاکہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصے ڈھانکے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو۔یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے شاید کہ لوگ اس سے سبق لے سکیں۔" (الاعراف:26)

ستر پوشی اور لباس کے علاوہ قرآن نے جن تعلیمات کیطرف توجہ دلائی ہے ان سب کو سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں ریکارڈ کر دیا گیا ہے ان سب کو یہاں نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ کچھ حصے درج ہیں۔

"اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو' اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور گھروالوں پر سلام نہ بھیج لو' یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھوگے' پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو' جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے واپس چلے جاؤ تو واپس چلے آؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے----- اے نبیؐ ! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں' اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔ مگر ان لوگوں کے سامنے شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بہنوں کے بیٹے' اپنے میل جول کی عورتیں' اپنی لونڈی غلام' وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ ان کی زینت (زیورات) جو انہوں نے چھپا رکھی ہو ظاہر ہوجائے۔" (النور آیت 27 تا 31)

"اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے۔ بلکہ صاف اور سیدھی بات کرو' اپنے گھروں میں ٹک کر رہو' اور سابق دورِ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو-----

(احزاب آیت 31 تا 33) "

اور

اے نبیؐ ! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ (گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں) اپنے اُوپر چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں۔

(احزاب 59)

اور

"کہہ دو کہ ناپاک اور پاک چیزیں دونوں یکساں نہیں ہوسکتیں' اگرچہ ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں فریفتہ کرنے والی ہو۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو' اے اہلِ عقل تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (سورہ المائدہ 100)

اور اس کے ساتھ یہ فرمایا کہ

جب تم سنو کہ آیاتِ الٰہی کا انکار کیا جارہا ہے اور اُن کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔ تو تم وہاں نہ بیٹھو۔"

(النساء 140:4)

"اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہوجاؤ اور اگر شیطان تمہیں بھلادے تو یاد آنے کے بعد ان ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔"

(الانعام 68:6)

اور **ان الصلٰوۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر** "بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

ان تعلیمات کا مختصر خاکہ : (i) تعلیم و تربیت کے ذریعے افراد کی ذہنیت درست کی جائے اور ان کے نفس کی اس حد تک اصلاح کی جائے کہ وہ خود برے اعمال سے نفرت کریں۔ (ii) اجتماعی اخلاق اور رائے عامہ کو اس جرم کے خلاف اس حد تک تیار کیا جائے کہ وہ خود اسے ایک قبیح فعل گردانیں۔
(iii) نظام تمدن میں ایسے اسباب کا انسداد کردیا جائے جو اس جرم کی ترغیب و تحریص دلائیں۔
(iv) قرآنی قوانین کے مطابق ان جرائم کی سزائیں دی جائیں۔

رابطہ

مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویز کی تصانیف' درسِ قرآن (آڈیو' ویڈیو کیسیٹس) کے حصول اور ترسیل زر کے لئے ایڈریس نوٹ فرمائیے۔

ایڈریس
طلوع اسلام ٹرسٹ
طلوع اسلام ٹرسٹ
فون نمبر: 5764484
فیکس: 92-42-876219

بینک اکاؤنٹ
حبیب بینک لمیٹڈ
مین مارکیٹ گلبرگ برانچ لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 35-4107

طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قندِ مکرر

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

حقیقتیں اور افسانے

وہ تو اک مردِ خود آگاہ تھا کہ اپنے متعلق بھی کہہ دیا کہ'

اک عجب مجموعۂ اضداد ہے اقبال تو ! یہاں' بے خبری کا یہ عالم ہے کہ عمر بھر تضادات کو اپنانے کے باوجود ثنویت اختیار کئے رہنے کے باوجود' خود کو مؤحد اور اپنی شخصیت کو اکائی سمجھتے چلے آرہے ہیں اور جو بات ایک فرد کے متعلق کہی جا سکتی ہے وہی سوسائٹی کے متعلق بھی' کہ وہ افراد ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔

یہ نظارہ کچھ انہونا۔ آپ نے بھی بیشتر دیکھا ہوگا' نظر میری سے بھی اس سے پہلے بارہا گذرا تھا لیکن کچھ اس پر شاید توجہ نہ تھی' یا اسے یونہی اہمیت نہ دی۔ پچھلے دنوں دیکھا تو کچھ غور کیا' اور یہ عجیب سی محسوس ہوئی۔

ایک عزیز کے ہاں جانا ہوا۔ گھر میں کچھ ہنگامہ تھا' دیگیں و دیگیں کھنک رہی تھیں۔ مہمانوں کی چہل پہل تھی۔ گہما گہمی دیکھ کر میں ٹھٹھک سا گیا۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ بچے کی کوئی منت مانی ہوئی تھی اسے اُتارنے کا انتظام ہو رہا تھا۔ ننھے میاں تعویذ گلے میں لٹکائے گود میں ہمک رہے تھے۔

میاں بیوی دونوں سائنس کے مضامین کے فارغ التحصیل' بلکہ معلم۔ میں نے ان سے پوچھا۔
بھئی ! آپ لوگ سائنس کے طالب علم ہیں' کیا آپ علم کی رُو سے' سائنسی طریقے سے' اس پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں ؟

"اس بحث کو نہ ہی چھیڑو تو اچھا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "یہ عقیدے کی بات ہے' مجھے معلوم ہے' تم ان عقائد سے منکر ہو۔"

نہیں بھیا! یہ بات نہیں۔ مجھے سمجھا دو۔ میری سمجھ میں بات آگئی تو مان لوں گا----- آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں----- لیکن یہ ضروری ہے کہ بات میری تمہاری سطح پر ہو' ٹھوس ہو' ثبوت کے ساتھ' یونہی ہوا میں تیر نہ چھوڑنا----- یوں تو دیہات میں آج بھی باری پہ چڑھنے والے بخار کا علاج تعویذات سے ہوتا ہے اور جب تلی بڑھ جاتی ہے تو اسے ناپ تلی کہہ کر ہسپتال بھیج دیا جاتا ہے' کن پیڑے' سرخ باد' زہرباد کا دم بھی ہوتا ہے!

"تو کن پیڑے ٹھیک بھی تو ہوجاتے ہیں کئی بار دم سے' میں خود اس بات کا شاہد ہوں!"

وہ تو میں بھی ہوں۔ میں نے کہا۔ مگر میں نے دم کے بغیر بھی یہ ٹھیک ہوتے دیکھے ہیں۔ یہ (Self Limiting Disease) ایک معیّن مدت تک چلنے والی بیماری ہے اور اگر اس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو تو اپنی میعاد کے بعد خود بخود ٹھیک ہوجاتی ہے'----- اس لئے میری شہادت مجھے شک و شبہ

میں مبتلا نہیں کر سکی۔ واقعات کے اسباب پر غور کرنے' بیماریوں کے متعلق قوانین پر غور کرنے سے جیسے بہت سے بھید کھل جاتے ہیں' اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق بھی ہوتا ہے' اسی لئے تو خدا نے کائنات کے وسیع و عریض سلسلے میں بکھرے ہوئے مظاہرِ فطرت پر غور کرنے کا حکم دیا ہے کہ یوں کائنات کے بھید کھلتے ہیں' آیاتِ خداوندی کا ظہور ہوتا ہے۔

انہوں نے بزعم خود مجھے ضدی اور میں نے انہیں معذور و مجبور سمجھ کر بات یہیں چھوڑ دی اور گفتگو دوسرے موضوعات کی طرف چلی گئی۔

بات معاشیات کی طرف گئی تو یہی دوست بڑے سائنٹیفک سوشلزم کے ماننے والے نکلے اور اس کے جواز میں' اس کے حق میں' بڑے بڑے دلائل لائے' بڑی بڑی دقیق قسم کی اصطلاحات (Terms) ان کی گفتگو میں استعمال ہو رہی تھیں۔ کہیں تاریخی وجوب تھا' کہیں جدلی مادیّت تھی' استحصال کی بات تھی' بورژاوازی کا تذکرہ تھا۔ غریبوں' مزدوروں اور کسانوں کی ڈکیٹر شپ میں انسانیت کی نجات کا ذکر تھا' اس فلسفے کے فعّال اور قابلِ عمل ہونے کے مظاہرے مختلف سوشلسٹ ممالک میں دیکھنے پہ اصرار تھا۔ •

میں نے کہا۔ بھائی ! اس فلسفے کی رُو سے تو مذہب عوام کی افیون ہے۔ خدا کا وجود ہی نہیں اور جب خدا کا وجود ہی نہیں تو وحی اور رسالت کا ذکر ہی افسانہ طرازی ہے۔ دنیا یہی ہے۔ آخرت کا سوال ہی بیکار ہے----- ؟

تو اس کا جواب پھر وہی ثنویت کہ یہ تو دنیاوی معاملات ہیں۔ معاشی مسائل کا حل ہمیں یہاں سے ملتا ہے۔ اس کو لے لینے میں کیا حرج ہے۔ اسے لے لو' اپنالو' باقی اپنا عقیدہ اپنے ساتھ' خدا کو مانو' رسولؐ کو مانو' نماز' روزہ' حج اسی طرح رکھو۔ تمہیں کون روکتا ہے!

جب ایک نظام سے دوسرے نظام نے تاریخی جبریت کے ماتحت آنا ہی آنا ہے تو تمہاری نماز' تمہارا روزہ' تمہاری عبادت' تمہاری ریاضت کہاں لے جائے گی' کیا فائدہ پہنچائے گی۔ جب سب ترقی مادی ذرائع ہی کی مرہون ہے اور اسی پر منحصر ہے تو ان کا فائدہ ؟ اور اس سارے مادی فلسفے میں اگلی دنیا اور آخرت کہاں (Fit In) ہوں گے ؟

میں نے کہا۔ جب زندگی یہاں سے وہاں تک ایک ہی جوئے رواں ہے تو ذرائع (Means) اور نتائج (Ends) دونوں کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ نتائج ذرائع کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتے اور جب زندگی ایک ہے' انسان ایک ہے تو دنیا کے معاملات ایک طرح اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی عبادات' عقیدے جوں کے توں'----- ایک شعبے میں ایک طرح کا قانون' اور دوسرے میں دوسری طرح کا قانون۔ کونسا علم اور فلسفہ ہے جس کی رُو سے یہ متضاد عناصر یک جا ہوسکیں گے۔

کہنے لگے تم پھر اسی بات کو ذہن میں لے آتے ہو۔ میں نے جان بوجھ کر موضوع بدلا تھا۔ میں نے کہا۔ میری بھی مجبوری ہے' میں تو اس کے احاطے سے باہر نہیں نکل سکتا۔

کیا ہے سیر گہہ زندگی میں رخ جس سمت
ترے خیال ہی سے ٹکرا کے رہ گیا ہوں میں

میرے یہ دوست مسلمان ہیں، سیّد کہلاتے ہیں اور کمیونسٹ ہیں! ان میں سے کسی کو بھی چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اپنی کمیونزم پر انہیں اصرار ہے کہ ذہن اس کو مانتا ہے۔ مسلمان بھی ہیں۔ کافر نتوانی شد، ناچار مسلمان شو۔ اور سیّد تو وہ بہرحال ہیں ہی کہ جائے عزّت ہے---- اس پریشاں نظری سے شخصیت جو دولخت ہورہی ہے اس کی طرف ان کا دھیان نہیں ہے۔ شاید مگر "دو قلبی شخصیات" (Dual Personalities) عام ہی تو ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے لوگ چہرے پہ ماسک چڑھائے پھر رہے ہیں۔ ابھی ایک، ابھی دوسرا۔ اصل کیا ہے، کون جانے ؟ یہی کہنا پڑتا ہے۔

یہ خوب کیا ہے، یہ زشت کیا ہے
جہاں کی اصل سرشت کیا ہے
بڑا مزہ ہو تمام چہرے----------
اگر کوئی بے نقاب کردے

وہ ہنگامہ آرائی کے، جلسے جلوسوں کے، توڑ پھوڑ کے دن تھے۔ فضا میں ڈکٹیٹرشپ مردہ باد، اور جمہوریت زندہ باد کے نعرے ہر طرف گونج رہے تھے۔ ہر محفل میں، ہر مجلس میں اسی بات کا چرچا تھا۔ ہر کوئی کسی نہ کسی صورت اس سے متأثر تھا۔ بات کا رُخ بدلا تو سیاست زیر بحث آگئی۔

ایک صاحب کہہ رہے تھے، ایک شخص کے ہاتھ میں پوری قوم کی تقدیر کیسے دی جاسکتی ہے، ایک شخص عقلِ کُل کیسے ہوسکتا ہے ؟ کیا وہ شخص منزّہ عن الخطاء ہے ؟ وہ کوئی پیغمبر ہے ؟ وہ تو ولی بھی نہیں---- اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب ڈکیٹیٹر کا زمانہ لَد گیا۔ شخصی حکومتیں، بادشاہتیں، خاندانی وراثتی شہنشاہیت کا دَور اب نہیں رہا۔ اب جمہوریت کا دَور ہے۔ ہمارے ملک میں بھی جمہوریت کی بحالی لازمی ہے---- ورنہ ملک تباہ ہوجائے گا----
جمہوریت زندہ باد! جمہوریت زندہ باد، آمریت اب چند دن کی مہمان ہے۔

سبھی ایک سی کہے جارہے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ یہ بات ذرا مجھے ٹھیک سے سمجھا دیجئے۔ ذرا آمریت، جمہوریت کی وضاحت تو ہوجائے!

کیسی وضاحت! یہ بھی بھلا کچھ سمجھنے سمجھانے والی بات ہے ؟ ایک شخص کا اقتدار آپ کیسے برداشت کرسکتے ہیں، حکومت جمہور کی مرضی سے ہونی چاہئے۔ جمہور کے مشورے سے ہونی چاہئے۔

Govt of the people, for the people, by the people.

دوسرے نے کہا۔ "صلاح مشورے سے، **شورٰی بینھُم** اسلام بڑا جمہوری مذہب ہے۔ جمہوریت عین اسلام ہے۔ جمہوریت ہی اسلامی طرز حکومت ہے----!"

سب ہی طرف سے ایک سی آوازیں اُٹھ رہی تھیں۔

"میں نے کہا، مجھے اتفاق ہے!"

"کیسے اتفاق نہ ہو"۔ سب نے کہا۔ آج کے دور میں کوئی اس سے انکار کرسکتا ہے ؟ دُور کی بات جانے دو۔ میں نے کہا۔ "میں تو چودہ سو سال پہلے دین کو مانتا ہوں۔ مجھے تو بس---- **شورٰی بینھُم** سے اتفاق ہے۔ اس کے برعکس آپ ایک شخص کا

اقتدار ماننے والے ہیں۔ ایک شخص کا اقتدار ماننے والے کا نام ہی تو جمہوریت ہے! "

سب نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ "بھئی یہ لطیفہ بھی خوب رہا۔ ایک شخص کا اقتدار ماننے کا نام جمہوریت ہے۔ جمہوریت کی یہ تعریف بھی آج تک کسی نے نہ کی تھی! "

جب قہقہوں کا زور کم ہوا تو میں نے کہا---- یارو میں سیاسیات کا طالب علم نہیں، سائنس اور طب کا طالب علم ہوں، آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ اگر میری بات پر کچھ توجہ دیں تو کہوں----!

وہ خاموش ہوئے تو میں نے پوچھا۔ "جمہوریت میں کیا ہوتا ہے! "

"کثرتِ آراء کا معیار ؟ " میں نے سوال اٹھایا۔

مجھے معلوم تھا، بہت سے گھسے پٹے جملے آئیں گے، میں نے خود ہی کہا کہ میں---- از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید---- نہیں کہوں گا---- گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو---- بھی نہیں کہوں گا---- جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ کا حوالہ بھی نہیں دوں گا۔ میں تو صرف کثرت اور قلت کی وضاحت چاہوں گا۔!

"کثرت کثرت ہے اور قلت قلت، یہ بھی کوئی سمجھنے اور سمجھانے کی بات ہے ؟ "

"کیوں نہیں! ایک مسئلے پہ آراء طلب کی جاتی ہیں، دونوں طرف پچاس پچاس ہوں تو کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ جونہی ایک طرف اکاون اکٹھے ہوئے، جمہوری فیصلہ ہوگیا---- یعنی فیصلہ اس ایک شخص ہی کے ہاتھ میں ہوا جو اکاونواں ہے۔ اسی لئے تو میں کہہ رہا تھا کہ جمہوریت ایک شخص کی حکومت کا نام ہے، اور اس ایک شخص کو جو خدا معلوم دھونس دھاندلی، خوشامد، رشوت کس کس حربے کو استعمال کر کے منتخب ہوپایا تھا۔ اُسے پچاس سے اس طرف یا اس طرف شامل ہونے کے لئے دھونس، دھاندلی، رشوت، سفارش، خوشامد، کوئی چیز بھی آمادہ کرسکتی ہے! "

باقی رہا مشورہ، تو سبھی ڈکٹیٹروں کے مشیر ہوتے ہیں۔ اگر اکبر کے نورتن تھے تو ہٹلر کیساتھ بھی گوئرنگ، گوئبلز، رب ٹراپ وغیرہ نورتن مشورے کے ساتھ تھے۔ اسٹالین کے ساتھ بھی مولوٹوف، اور بیریا وغیرہ تھے۔

---- اور یہ جو ایک بار منتخب ہوکر اسمبلیوں میں چلے جاتے ہیں، یہ تو بس پھر پارٹی ڈسپلن کی رسّی سے بندھے ہوتے ہیں۔ جب یہ رسی تڑا کر پارٹی بدل لیتے ہیں تو کیا اس کے لئے اپنے ووٹروں سے صلاح مشورہ کرتے ہیں، ان سے استصواب مانگتے ہیں ؟

پھر یہ ممبران، یہ فوجِ ظفر موج، مراعات یافتہ طبقہ بن کر آج کی جمہوریت میں جو دھاندلی مچاتے ہیں، افسروں پر، خود حکومت پر دباؤ ڈال کر ناجائز سہولتیں حاصل کرتے ہیں، اس سے جمہوریت میں کوئی مغز ہے!

---- اور پھر یہ جمہوریت بھی لادینی طرزِ حکومت ہے، مغرب کے مفکروں کی سوچ کا نتیجہ، جن کے سامنے دین کی روشنی تھی ہی نہیں۔ جو دین کے نام سے ہی ناآشنا تھے۔

"تو تم ان کو شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہو' انارکی چاہتے ہو۔انارکی چاہتے ہو"۔ انہوں نے کہا۔

جی نہیں! میں کسی شتر کو بے مہار نہیں چھوڑنا چاہتا۔ مہار' میں البتہ فرق ہے۔ میں یہ مہار دین کی مہار چاہتا ہوں۔ مگر خدا کے بنائے ہوئے دین کی۔ خدا تو کہتا ہے کہ کسی انسان کو حق حکومت ہے ہی نہیں۔ قائداعظمؒ کے الفاظ ہیں' ہماری آزادی اور پابندی کی حدود قرآن کریم میں دیئے گئے اصول و قوانین متعین کرتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ ہم ہر مرحلے پر راہنمائی کے لئے مغرب کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور پھر ان کی ہر بات کو درست اور حرفِ آخر سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہ تک نہیں دیکھتے کہ وہ ممالک خود ان نظام ہائے زندگی سے کس قدر نالاں ہیں۔

----- اور یہ ایک طرح سے ہماری مجبوری ہے' ہماری ٹریننگ ہی ان خطوط پر ہوئی ہے۔

ہماری ساری تعلیم' اس کی سوچ اور بنیاد مغربی نظام پر مبنی ہے۔ ہمارے زیادہ بہتر اور زیادہ ماڈرن سکول کالج کچھ زیادہ ہی مغرب زدہ ہیں ورنہ انہی کے فارغ التحصیل لوگ ہمارے ہاں زیادہ معتبر اور زیادہ بااختیار اور سیاست اور دفاتر کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ان کی نگاہ میں ہر چیز کی معراج مغرب ہی کی طرف اُٹھتی ہے۔

"اللہ تمہارا بھلا کرے"۔ میرے دوست نے کہا۔ "اب آئے نہ راہ پر۔ ہماری ساری تعلیم' ساری سوچ مغرب سے مستعار ہے۔ مغرب خود اپنے نظام ہائے زندگی سے نالاں ہے۔ اب وہ لوگ نئی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ مشرق کی طرف بھی ان کی نگاہیں اُٹھ رہی ہیں' کیوں نہ ہم بھی اپنے بزرگوں کے خیالات میں اپنے مسائل کا حل تلاش کریں ؟ کیوں نہ ان کی زندگیوں پر غور کریں!

"یہ دیکھو! ----- ایک اور صاحب نے اخبار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ فلاں وزیر نے اپنی تقریر میں فرمایا-" ہمیں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہئے جنہوں نے دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں-----

اور اخبار کے صفحات پر کئی تصویریں تھیں۔ مزار کو غسل دیا جارہا تھا۔ چادریں چڑھائی جارہی تھیں۔ سر پر سبز کپڑا لپٹوایا جارہا تھا۔ ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے تھے!

دیکھو! یہ سب لوگ یونہی نہیں! ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی ہیں----- ولایت اور امریکہ پلٹ بھی ہیں۔ کیا یہ مشرق کی طرف رخ کرنا نہیں؟ تم بھی اِدھر آجاؤ-----!

"مجھے کب انکار ہے"- میں نے کہا۔ "میں تو اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ حکمت کی بات جہاں کہیں ہو مومن کی میراث ہے----- مجھے ان کی زندگیوں کی بابت کچھ بتاؤ۔ ان کے نقوش پا ہی وہ راہ بتادیں گے جو منزل کی طرف جاتی ہے۔"

کچھ کتابیں انہوں نے میرے ساتھ کردیں۔ ایک ایک کتاب میں بے حساب بزرگوں کی داستانیں تھیں' کشف المحجوب میں صفحہ 345 پر ایک بزرگ کا ذکر ہے کہ اپنے مرید سے کہا کہ آج میں تمہیں ایک جگہ لے جاؤں گا۔ میں نے کہا جو حکم ہو تعمیل کے لئے تیار ہوں----- ابھی کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک بہت دشوار گذار جنگل دیکھا جس میں ایک سبز

درخت کے نیچے سنہری تخت بچھا ہوا تھا اور اس کے نیچے پانی کا چشمہ جاری تھا اور اس تخت پر ایک شخص عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا' آپ اس کے پاس گئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو اس تخت پر بٹھا دیا۔

کچھ وقت گذر گیا تو آسمان سے کھانے کی نہایت عمدہ چیزیں نازل ہوئیں اور ہم نے انہیں سیر ہوکر کھایا---- جب ہم واپس آئے تو میں نے عرض کیا۔ اے شیخ ! وہ کون سی جگہ تھی اور وہ کون شخص تھا ؟ آپ نے فرمایا وہ مقام بنی سرائیل کا جنگل تھا اور وہ شخص قطب مدار علیہ تھا۔

میں نے پوچھا' اے شیخ! ہم اتنے سے وقت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کیونکر پہنچ گئے ؟ آپ نے جواب دیا۔ تمہیں پہنچنے سے کام تھا نہ کہ پوچھنے اور اس کی کیفیت معلوم کرنے سے مطلب ؟

یہ تو جنگل کی بات تھی۔ اب دریا کی سنئے---- حضرت ذوالنون مصری سے روایت کرتے ہیں۔ میں ایک روز مصر سے جدّہ جانے کے ارادہ سے کشتی میں سوار ہوا۔ اس کشتی میں ایک گدڑی پوش جوان بھی تھا۔ اپنا تمام وقت عبادتِ الٰہی میں گزارتا تھا۔ اتفاق سے کشتی میں کسی سوداگر کا ایک قیمتی موتی گم ہوگیا۔ اس سوداگر نے اسی درویش پر شک کیا۔ لوگوں نے پوچھ گچھ کی'---- اس نے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔ آخر لوگوں نے اس پر تشدد کا ارادہ کیا' لیکن میں نے اسے علیحدہ کرکے بڑی نرمی سے پوچھا کہ یہ لوگ تجھ پر موتی چرانے کا الزام لگاتے ہیں اور اب جبر و تشدد پر آمادہ ہیں---- یہ سن کر اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور کچھ کہا---- میں نے دیکھا کہ اسی وقت بہت سی مچھلیاں پانی کی سطح سے اُبھر آئیں جن میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک بیش قیمت موتی تھا۔ چنانچہ اس درویش نے ایک موتی مچھلی کے منہ سے لے کر الزام لگانے والے سوداگر کو دیا اور خود کشتی سے اتر کر پانی کی سطح پر قدم رکھا اور چلتے چلتے دریا عبور کرگیا۔

حضرت جنیدؒ کے ایک صوفی دوست حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بے نظیر ولی تھے۔ اس وقت کے تمام مشائخ آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ (کشف المحجوب صفحہ 216) دشمنوں نے آپ کو زک پہنچانے اور بہتان تراشنے کے طریقے وضع کرنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ ایک عورت کو حضرت سمنونؒ کے پاس بھیجا۔ جب اس کی نظر حضرت سمنونؒ پر پڑی اور اس نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کیا تو آپ نے اس سے انکار کیا۔ تب وہ عورت حضرت جنیدؒ کے پاس گئی اور کہا۔ آپ حضرت سمنونؒ سے کہیں۔ مگر انہوں نے اسے جھڑک دیا۔ تب وہ عورت غلام الخلیل کے پاس گئی' اور جیسے عورتیں تہمت لگایا کرتی ہیں ایک تہمت لگادی۔ غلام الخلیل نے تہمت اس طرح سنی جیسے دشمن سنا کرتے ہیں۔

خلیفہ وقت کو آپ کے خلاف بھڑکایا' یہاں تک کہ اس نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب جلاد نے قتل کرنے کے لئے خلیفہ سے آخری اجازت طلب کی تو خلیفہ کی زبان گنگ ہوگئی۔ جب وہ رات کو سویا تو خواب میں دیکھا۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ تمہارے ملک کا زوال سمنونؒ کی جان کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسرے روز اس نے معافی مانگی اور عزت

سے آپ کو رخصت کیا۔

شاہ شجاع چالیس سال تک نہ سوئے اور جب سوئے تو اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔

حضرت ابوبکر شبلی کے بارے میں لکھا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی یہ حالت ہوگئی کہ توحید الٰہی کے عشق میں اپنے وجود کے احساس و شعور سے بھی عاری ہوگئے۔ لوگ دیوانہ سمجھنے لگے۔ ایک مرتبہ بچوں نے اتنے پتھر مارے کہ لہو میں شرابور ہوگئے۔

لوگ ڈر کے مارے دُور کھڑے ہوگئے۔ لوگوں کو قریب بلایا اور کہا۔ میرے پاس آؤ اور سنو' لوگوں نے ان کے کانوں اور سر سے بہتے ہوئے خون کے قریب اپنے کان کئے تو لہو کی ہر بوند سے اللہ اللہ کی آوازیں آرہی تھیں۔

ایک نوجوان درویش سے ان کی عشقِ الٰہی کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ وہ ان کی نگاہ کی تاب نہ لاسکا اور اسی وقت انتقال کرگیا۔ لواحقین نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کردیا۔ جب انہیں خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو دورانِ گفتگو خلیفہ کی حالت غیر ہونے لگی---- اس نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اگر شبلی تم سب سے مخاطب ہوں تو تمہارا انجام بھی اس نوجوانِ درویش کی طرح ہوگا۔

کتاب تذکرہ غوث الاعظمؒ ترجمہ بہجۃ الاسرار میں بہت سے بزرگوں کی کرامات لکھی ہیں۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاسکتا۔ ان میں مردہ کو زندہ کرنا' پتھروں میں سے چشمہ اور انار کا درخت نکالنا' ٹوٹے ہوئے لوٹے کا درست اور پانی سے بھرا ہوا ہو جانا۔ ایک ہی درخت سے سیب' انار اور انگور لینا' کھجوروں کا بولنا' سیب کے رونے کی آواز' اور اسی قسم کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ صرف دو ٹکڑا" سناؤں گا۔

ایک دن جنگل میں ایک شیر پر گذرے۔ جس نے ایک مرد کو پھاڑا تھا اور اس کے بازو کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ آپ شیر کی طرف آئے اور اس کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ہمارے پڑوسیوں کے درپے نہ ہوا کرو۔ وہ شیر عاجزی کرنے لگا اور مرد کو چھوڑ دیا۔ شیخ نے اس سے کہا خدا کے حکم سے مرجا' تو شیر مردہ ہوکر گر پڑا۔ شیخ نے جو مرد کا بازو الگ ہوگیا تھا اس کو لے جاکر اس کی جگہ پر رکھ دیا اور کہا **یا حی۔ یا قیوم ذوالجلال والاکرام**' اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو باندھ دیا۔ پھر اس کا بازو تندرست ہوگیا گویا کہ اس کو کوئی تکلیف ہی نہ پہنچی تھی۔ اس نے اسی ہاتھ سے شیر کی کھال اتاری۔

شیخ عمر بن عقل مرزوق' ایک دفعہ ایک رات تہجد پڑھ رہے تھے کہ ازل کی جانب سے کوئی آیا۔ انوار کی تجلی کمالِ جلال سے ظاہر ہوئی۔ تب آپ اس جگہ کھڑے رہے۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائے ہوئے' سات سال تک نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے' نہ دیکھتے تھے!

جب مجھے میرے دوست نے تذکار سے کچھ گھبرایا ہوا دیکھا تو کہا۔ بھئی! تم تو بس کرامات ہی کے واقعات میں کھوگئے' کچھ اور بھی تو ان میں دیکھو۔

مجھے تو زور انہیں پر نظر آتا ہے۔ باقی رہی ان کی تعلیم۔ سو وہ بھی سن لو۔ الازہر یونیورسٹی کے صدر ڈاکٹر علی حسن القادر نے حضرت جنید بغدادیؒ

کے بارے میں تحقیقاتی مواد پیش کیا ہے۔ اس کی رُو سے ان کی تعلیمات صرف خاص لوگوں کے لئے ہیں اور وہ خاص لوگ جو توحید کے مسافر ہیں اور توحید کے مسافر کے دینی جذبے کا نقطہ آغاز اسی عظیم فاصلے کا احساس ہے جو انسان اور خدا کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہی تصوّف کی ابتدا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ "توحید کی خالص حالت کی نوعیت یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے احساس سے بھی یکسر عاری ہو اور ایک خیالی وجود کی صورت میں اللہ کے سامنے حاضر ہو' ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری چیز نہ ہو' پھر جس جس طرح اس ذاتِ مطلق کی قدرت کاملہ طے کرتی ہے۔ اس کے مطابق اس خیالی وجود پر مختلف صورتوں میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اسے توحیدِ ذاتِ حق کے بحرِ بیکراں میں پوری طرح غرق کر دیا جاتا ہے-----!"

اور صوفی' کامل لطافت کی حالت' میں اپنی ذاتِ صفات گم کر دیتا ہے اور اس گمشدگیٔ صفات کے باعث وہ وجودِ خداوندی میں پوری طرح مُدغم ہوجاتا ہے اور یوں اپنے آپ سے بالکل گم ہوجاتا ہے۔
جب وہ اپنے آپ سے گم ہوتا ہے تو مکمل طور پر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ بیک وقت حاضر بھی ہوتا ہے اور غائب بھی۔
وہ اس جگہ ہوتا ہے جہاں وہ پہلے نہیں تھا اور اس جگہ موجود نہیں جہاں وہ پہلے تھا۔ پھر جب اس کا وجود نہیں رہتا تو وہاں موجود ہوتا ہے جہاں ابتدائے افرینش سے پہلے تھا' یوں وہ اپنے آپ میں آجاتا ہے جبکہ اس کے بعد وہ اپنے آپ میں نہیں تھا-----
اس مقام پر وہ اپنے آپ کے اندر بھی موجود ہوتا ہے اور ذاتِ خداوندی کے اندر بھی حالانکہ اس سے پہلے وہ صرف ذاتِ خداوندی میں موجود تھا اپنے آپ میں نہیں-----

یہ تو سب ویدانت ہے۔ وہی فلسفہ جو ہندو مت میں ہے جس میں خدا کو پانے کے لئے اپنے آپ کو فنا کرنا پڑتا ہے----- اور آپ کہتے ہیں اسلام بڑا عملی مذہب ہے۔ یہ ایک دین ہے' طرزِ زندگی ہے۔ طرزِ معاشرت' طرزِ حکومت ہے' استخلاف فی الارض مومن کا حق ہے' مومن کا انعام ہے۔
آپ کی بنائی ہوئی راہ پر چل کر ہم اقوامِ عالم میں وہ مقام کیسے حاصل کر سکتے ہیں جو قرآنِ پاک میں مومن کا بتایا گیا ہے کہ:

"تم----- یہاں مخاطب ایک شخص نہیں' پوری اُمّت ہے----- تم اُمّتِ وسطیٰ ہو' جو اقوام عالم کی کارکردگی کی نگران ہے۔"

مومن کی صفت تو **انتم الاعلون** ہے۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے
برنتابد غیرت او ہمسرے

ہم اس طور پر کیسے اس فساد بھری دنیا کو امن و سلامتی (اسلام) کی طرف لاسکتے ہیں۔ اگر ہمارا مقام بطور ایک معاشرے' بطور ایک حکومت کے' ان حکومتوں سے بلند تر نہ ہوگا۔

اگر ایسی مافوق الفطرت باتوں سے دوسروں کو مرعوب کرنا ہی مذہب کی تعلیمات ہوتیں تو پیغمبر کیوں تکلیفیں اٹھاتے' پتھر کیوں کھاتے۔ اگر ہاتھ کے اشاروں ہی سے سب کچھ کرنا مقصود ہوتا تو میدان جنگ میں تیروں اور تلواروں سے لیس ہوکر جانے کی کیا ضرورت تھی' دندانِ مبارک جنگ ہی میں تو شہید ہوگئے تھے اور یہ کیوں ارشاد ہوا کہ تمہاری

سرحدوں پر بندھے ہوئے گھوڑوں کی ٹاپ ایسی ہو کہ تمہارے دشمنوں کے دل دہل جائیں۔ جہاں قرآن اُتارنے کا ذکر ہوا وہاں فولاد کے اتارے جانے کا بھی ذکر ہے کہ:

ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند

مومن، مظاہرِ قدرت پر غور کرتا ہے۔ ان کے اصول معلوم کرتا ہے اور یوں تسخیرِ کائنات کرتا ہے، اور کائناتی قوتوں کو تسخیر کرکے جو مادی فائدے حاصل کرتا ہے وہ ربوبیتِ عامہ کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر عالم گیر انسانی برادری کے مفادات ہوتے ہیں، کسی خاص خطے یا قوم کے نہیں۔

آج کیفیت یہ ہے بقول علامہ اقبالؒ

مغرب زتو بیگانہ مشرق ہمہ افسانہ

نہ مغرب کا فلسفہ ہمارا علاج ہے اور نہ مشرق کی افسانوی دنیا ہماری پناہ گاہ۔ دنیا میں اگر اپنا مقام حاصل کرنا ہے تو اسی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

وللّٰہ المشرق والمغرب

اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر وہ معاشرہ، وہ نظام قائم کرنا ہوگا کہ دنیا اپنے ربّ کے نور سے جگمگا اٹھے۔

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر!

ڈاکٹر صاحب! قارئینِ طلوع اسلام آپ کی تلاش میں ہیں۔ مدیر مسئول

طلوع اسلام کے لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خوشخبری

طلوع اسلام کنونشن

کے موقع پر طلوع اسلام ٹرسٹ کی جملہ مطبوعات پر

40فی صد خصوصی رعایت سے فائدہ اٹھایئے

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

طلوع اسلام کی روز افزوں مقبولیت سے بوکھلا کر بعض حاسدوں نے قارئین طلوع اسلام کو عموماً اور وابستگانِ تحریک کو خصوصاً جھوٹی اور بے بنیاد اطلاعات پر مبنی فرضی ناموں سے خطوط لکھنے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ ایسے بد طینت لوگوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑتے ہوئے ہم اپنے قارئین پر ایک دفعہ پھر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ طلوع اسلام ایک کھلی کتاب کی طرح ہے اور اس کی انتظامیہ کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کی زندگی کا بہت بڑا حصہ بانیٔ تحریک کی براہِ راست شاگردی میں بسر ہوا ہے۔ حملہ آور نئے ہو سکتے ہیں مگر اس قسم کے ہتھکنڈے طلوع اسلام کی زندگی میں نئے نہیں۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

خریداران طلوع اسلام کے لئے ضروری اعلان

ملک میں پھیلی ہوئی ہوشربا گرانی کی وجہ سے "طلوع اسلام" کی مالی حالت پر جو نقصان رساں اثر پڑ رہا تھا ہم کسی طرح اس کا مقابلہ کئے جارہے تھے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ ہم مجلّہ طلوع اسلام کے خریداروں پر مزید بوجھ کا باعث نہ بنیں۔ لیکن اب یہ بوجھ ہماری حد برداشت سے باہر ہوگیا ہے۔ اس لئے ہم بادل نخواستہ مجلّہ طلوع اسلام کی قیمت بڑھا رہے ہیں۔ جو جنوری 1997ء سے حسب ذیل ہوگی۔

اندرون ملک۔ سالانہ چندہ۔ 170 روپے۔ فی شمارہ۔ 15 روپے مع پیکنگ و ڈاک خرچ

بیرون ملک۔ ایشیا و یورپ 600 روپے۔ آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 800 روپے

دوکانداروں کے لئے کمیشن کی شرح حسب سابق 33 فیصد رہے گی۔

یاد رہے کہ یہ وہ رقوم ہیں جو ادارہ طلوع اسلام میں نقد وصول ہونی چاہئیں۔ لہٰذا رقوم بذریعہ منی آرڈر' بینک ڈرافٹ بھجوائیں یا پرچہ بذریعہ VP طلب فرمائیں۔ VP کا خرچہ بذمہ خریدار ہوگا۔

لاہور سے باہر کے بینک کا چیک ارسال فرمائیں تو اس میں 40 روپے بنک چارجز شامل کرنا نہ بھولئے۔ یاد رہے کہ بنک ڈرافٹ پر آپ کے 14 اور منی آرڈر پر 10 روپے خرچ ہوں گے۔ بذریعہ VP منگوانے پر 22 روپے زاید خرچ ہوں گے۔

بیرون ملک خریداروں کی سہولت کے لئے فارن اکاؤنٹ کھول دیا گیا ہے۔ دیار غیر میں مقیم کرمفرما اپنا چندہ بقدر 22 امریکی ڈالر' جمع بنک چارجز ادارہ طلوع اسلام 25- بی گلبرگ 2- لاہور کے نام غیر ملکی کرنسی میں بھی بھجوا سکتے ہیں۔

ایسے کرمفرما جن کا چندہ برائے سال 1997ء موصول ہوچکا ہے۔ بقایا رقم بھجوا سکیں تو یہ ان کی طرف سے ماہنامہ طلوع اسلام کو مالی بحران سے نکالنے اور قرآنی فکر کو عام کرنے کے لئے مالی اعانت سمجھی جائے گی۔

پیشگی کھاتہ داران اور بزمہائے طلوع اسلام' آگاہ رہیں کہ جنوری 97ء سے ان کے کھاتوں سے جاری پرچوں کا زر شرکت نئی شرح سے وضع کیا جائے گا۔

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

طلوع اسلام سالانہ کنونشن 1996ء

طلباء و طالبات کے لئے مقابلۂ حُسنِ تدبّر

معلمین گرامی! ــــــــــ السلام علیکم

نژادِ نو میں تعمیری سوچ اُبھارنے اور پاکستان کی اساس کو ان کے ذہنوں میں بیدار رکھنے کے لئے آپ کی مساعیٔ جمیلہ یقیناً" قابلِ قدر ہیں۔ تاہم اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے' اپنے بڑوں کی طرح طلباء و طالبات کی راہ میں بھی بہت ساری دشواریاں حائل ہوں گی۔ ہماری آواز جہاں تک پہنچ پائے' ہم سکول اور کالج لیول کے طلباء و طالبات کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خط لکھ کر ہمیں اپنی اُلجھنوں سے آگاہ کریں۔ ہم 18 اکتوبر 96ء بروز جمعہ 3 بجے دوپہر کھلے اجلاس میں ان کے سوالات کے جوابات قرآنِ کریم کی روشنی میں دیں گے۔

ملی اہمیت کے بہترین سوالات پر ایک ایک ہزار روپے کے 10 انعامات اور معقول سوال پوچھنے والے ہر طالب علم کو شمولیت کا سرٹیفکیٹ بھی دیا جائے گا۔

آپ کے توسط سے ہم آپ کے طلباء کو سیکھنے' سکھانے کی اس مجلس میں بھرپور شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔

سوالات 10 اکتوبر 96ء تک پہنچ جانے چاہئیں۔ جوابات پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر دیئے جائیں گے۔ انعام پانے والے طلباء کا اجلاس میں موجود ہونا ضروری ہے۔

نیاز مند

ایاز حسین انصاری
چیئرمین ادارہ طلوع اسلام
25 بی گلبرگ 2۔ (نزد مین مارکیٹ) لاہور

Discover the wide world of Islamic literature

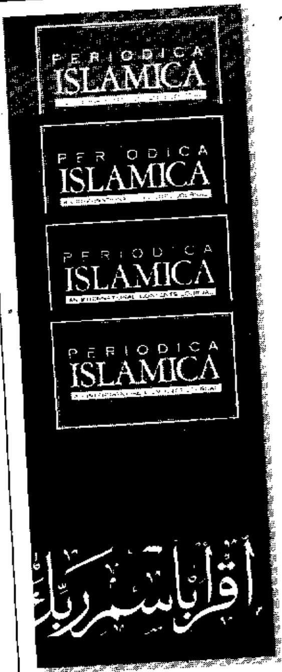

The journal is produced to a very high standard, and should be a very useful source for all libraries and information users concerned with Islamic issues.
Information Development (London), Volume 7, Number 4, pages 241-242

This journal is doing a singular service to the cause of the publicity of periodical literature on Islamic culture and civilization in all its diverse aspects. Every scholar of Islamic Studies should feel indebted to you for this service.
PROFESSOR S.M. RAZAULLAH ANSARI
President, International Union of History and Philosophy of Science (IUHPS)
Commission for Science and Technology in Islamic Civilization, New Delhi, India

(Periodica Islamica *is) an invaluable guide...*
PROFESSOR BILL KATZ
Library Journal (New York), Volume 118, Number 21, page 184

Periodica Islamica *is a most valuable addition to our reference collection.*
PROFESSOR WOLFGANG BEHN
Union Catalogue of Islamic Publications, Staatsbibliothek Preussischer Kulturbesitz
Berlin, Germany

It is recommended for all research libraries and scholars of the Islamic viewpoint.
DR. RICHARD R. CENTING
MultiCultural Review (Westport, Connecticut), Volume 2, Number 1, page 40

You should be congratulated on Periodica Islamica which should prove to be a valuable journal to persons interested in Islam and the entire Muslim World.
AMBASSADOR (RTD.) CHRISTOPHER VAN HOLLEN
The Middle East Institute, Washington DC, USA

Periodica Islamica is an international contents journal. In its quarterly issues it reproduces tables of contents from a wide variety of serials, periodicals and other recurring publications worldwide. These primary publications are selected for indexing by ***Periodica Islamica*** on the basis of their significance for religious, cultural, socioeconomic and political affairs of the Muslim world.

Periodica Islamica is the premiere source of reference for all multi-disciplinary discourses on the world of Islam. Browsing through an issue of ***Periodica Islamica*** is like visiting your library 100 times over. Four times a year, in a highly compact format, it delivers indispensable information on a broad spectrum of disciplines explicitly or implicitly related to Islamic issues.

If you want to know the Muslim world better, you need to know ***Periodica Islamica*** better.

Founding Editor-in-Chief ❑ Dr. Munawar A. Anees
Consulting Editor ❑ Zafar Abbas Malik
Periodica Islamica, 31 Jalan Riong
Kuala Lumpur-59100, Malaysia

America Online • dranees
CompuServe • dranees
Delphi • drmanees
InterNet • dranees@klcyber.pc.my
URL • http://www.ummah.org.uk/dranees/periodica/

PERIODICA ISLAMICA

Subscription Order Form

Annual Subscription Rates

❑ Individual US$40.00 ❑ Institution US$249.00

Name ____________________

Address ____________________ Country ____________

City, State, Code ____________________

❑ Bank draft ❑ ❑ coupons ❑ Money order

❑ ❑ ❑ ▢▢▢▢-▢▢▢▢-▢▢▢▢-▢▢▢▢

Expiration date ____________

Signature ____________

BY PHONE — To place your order immediately telephone (+60-3) 282-5286

BY FAX — To fax your order complete this order form and send to (+60-3) 282-8489

BY MAIL — Mail this completed order form to ***Periodica Islamica***

SUBSCRIBERS IN MALAYSIA MAY PAY AN EQUIVALENT AMOUNT IN RINGGIT (M$) AT THE PREVAILING EXCHANGE RATE

Subscribe Now! Subscribe Now!

LIFE AFTER DEATH

In his letter dated 14 July 1996, addressed to Dr. Syed Abdul Wadood, Mr. Khalid Zaman, from England, inquired as under:-

During one of our Quranic Study circles, the following topic was discussed. Life in the hereafter and the development of the human personality therein. A number of views were expressed whether *Jahannam* is a permanent abode or a process of correction by which those who are admitted therein after their *Nafas* has undergone a process of punishment, thereafter will be allowed into *Jannt.* I am of the opinion after reading *Dr. Muhammad Iabal,s* Reconstruction of religious thought in Islam (P123) that *Jahanum* is process of correction. At present I am unaware of Allama G.A.Parwez's understanding regarding this matter, as I am unable to read urdu. Having discussed this matter with members of Bazm-e-Tolu-e-Islam, who are educated in urdu, who are of the opinion that *Jahannum* is a permanent abode for whosoever enters Muslims or non Muslims. I would be very grateful if you could clarify this issue quoting Quranic references.

Reply sent to him by Dr. Syed Abdul Wadood is reproduced hereunder-- **Editor**:-

My dear Khalid Zaman Sahib,

Thank you for your kind letter dated 14-7-96. Your Question regarding life here-after points towards your deep interest in the Quranic studies. This interest amongst young Muslims all over the world is very encouraging.

Life as we find in the Quran is an evolutionary process.

Man at the present stage of life is not able to perceive the actual state of affairs in the life hereafter. All that has been described in the Quarn regarding ***'Jannah'*** and ***'Jahannum'*** is allegorical.

The life hereafter is not the end of human life, it is rather a stage of human life. What shall happen beyond the life hereafter is not known. *Jannah* and *Jahannum* are not the names of places, it rather indicates a state through which the human life passes.

Question: Is *Jahannum* a permanent abode or a process of correction?

Answer: The Quran says: Surely hell lies in wait for you i.e., it is a place of ambush for the transgressors. (78:31)

For the transgressors a place of destination (78:22)

They will dwell therein for ages (78:23)

The word ***Ahqab*** in verse 78:22 denotes a long period and the use of this word leaves no doubt about it. Thus according to late Allama Iqbal and other renowned exegists, the punishment of hell is not eternal. It only signifies a limited period in the case of punishment of hell. On the other hand such words are nowhere used as regards the bliss of heavenly life, which is a clear indication that the latter will never come to an end.

Maulana Muhammed Ali a renowned exegist who also is in support of the non-eternity of *Jahannum* explains this point further by quoting verses (11:106-108)

> "Then as for those who are un-happy, they will find therein fire; for them there shall be sighing and groaning.(11:106)"

> "Abiding therein as long as the heavens and the earth endure, except as thy Rabb pleases. Surely thy Rabb is Doer of what-he tends(6:107)"

This limitation on the duration of abiding in the hell–except as thy *Rabb* pleases – is given in the Quran twice, here and in (6:129) and it shows that the punishment of hell is not everlasting.

Just compare (11:107) with (11:108)

> "And as for those who are made happy, they will be in the garden, abiding therein so long as the heaven and the earth endure, except as thy *Rabb* pleases – a gift never to be cut off. (11:108)"

The words – **a gift never to be cut off**–show that there is no limitation on the eternity of paradise.

Now let us see the other side of the picture to find out how Late Allama Parwez explained the verses (11:106-108) in his Book "*Mafhoomul-Quran*"–

> "Those consigned to misery will have hell as their abode. In them there will be sighing and wailing. The people who are consigned to misery are those who have lost their capacity for life. They are therefore doomed for all time to come. All this takes place according to Allah's laws which He has made to accomplish His plan."

Allama Parwez says while describing *JANNAH.*

> "Life in *Jannah* shall be eternal "see (4:122), (5:119), (9: 21-22), (64:9) (65:11), (98:8)
>
> "That there shall be no death in *Jannah* "(37:58-59), (44:56)
>
> *Jannah* is not the name of a place, it is a state through which a personality passes– (57:12), (57:19), (66:8)
>
> "In *Jannah* there shall be an attempt to exceed others"– (74:37), (83:90)

On the other hand Allama Parwez describes the state of *JAHANNUM* as following:-

> *Jahannum* is a place where the development of a personality comes to an end. Like *Jannah, Jahannum* is not the name of a place. It is a state through which a personality passes. Parwez does not recognise *Jahannum as* a process of correction–

According to him you do not find a support of it(that those assigned to Jahannum will come out of it after their punishment and then go in Jannah) in the Quran. In his book *Tabweeb-ul-Quran* (P 587-588) it is said:

> Quran clearly says that question does not arise of getting out of *Jahannum*. This trully conforms to the law of organic evolution, according to which any species which loses its capacity to progress forward, comes to a stand-still and its evolution stops. The same is the case with the evolution of human personality. That is why the life in *Jahannum* as described in the Quran is eternal. But this eternity is

not like the eternity of Allah's Personality. What shall be the end of it we cannot say.

In his Book "*Lughat-ul-Quran*" the description of *Jahannum* is very short and there the question of its eternity is not discussed. In his book"*Mafhoomul Quran* "also the verse (78:23) is not discussed fully. Only it is said – they will live in it for long time. On the other hand *Mutalabul-Furqan* is not a complete book. It comprises only first 12 chapters of the Quran.

Maulana Abul-ala-Maudoodi also believes in the eternity of *Jahannum.*

I have placed before you both the views regarding the "Eternity" or otherwise of " *Jahannum*" I hope this will satisfy you.

MULLA'S VIEW

Question: Is Jahannum a corrector or Eternal?

Answer: As is believed by *Ulemmas, Jahannum* is eternal for non-Muslims but not for Muslims who shall enter *Jannah* by the intercession of the Rasool (Peace be upon him)

The word "*Shafaat*" (intercession) is derived from the root (شفع) which signifies making a thing to be one of a pair or the adjoining of a thing to its like and hence it comes to signify intercession.

The holy Quran advocates a social life, because the development of human personality takes place within a society where every one individual becomes the(شفیع) of another i.e. all cooperate with one another. This cooperation even goes beyond the personal sphere of life and assumes the shape of nourishment of the world community.

On the other, when "*Khilafat*" changed into kingship; the word "*Shafaat*". took different shape amongst our orthodoxy, according to which the messengers of Allah and the righteous. will intercede for the sinners on the day of judgment:

Kings were considered to be (ظل الله) the shadow of God. Thus all the malpractices in their courts came to be considered as Divine, including (سفارش) intercession.

It is apparent that this doctrine of "*shafaat*" razes the entire structure of the law of Requital to the ground; a law which is the basis of Deen presented by the Quran-Belief in the human personality is the basis of belief upon which rest, the

other permanent values. Man is composed of two things; physical body and human personality. The physical body is controlled by the physical laws and human personality is controlled by the laws revealed through the messengers of Allah.. Physical body is destructible. On the other hand; human body has got potentialities which when actualized make the developed personality indestructible.

The development of human personality is controlled by human actions. This is a world of cause of effect. Every action has got its reaction. In other words every human action is rewarded. An act may be good or bad. A good act is one which is consistent with the Divine laws; a bad act is one which is inconsistent with the Divine laws. A good act produces a positive or constructive effect in human personality and bad act has a negative or disintegrating effect. The act may be manifest or concealed; it makes no difference. It requires no outside policing. The reac.ion is automatic as in all other phenomena of nature. Even an idea that flashes across the mind has its impact on the human personality.

"He knows the traitor of the eye and that which the bosoms hide." (40 : 19)

"And he who does good (to the extent of an atom's weight will see it then; and he who does ill to the extent of an atom's weight will see it then." (99 : 7-8)

Thus the human body ends with the physical death; while the developed human personality passes; on to its next evolutionary stage. This forms the belief in the Here-after and thus the basis of all permanent values provided by Divine guidance.

As said already; the doctrine of *shafaat* came into being when *"Khilafat"* changed into Kingship. But there is yet another source which augmented the idea of *shafaat*. Christians believe that every man is born with his soul stained by the original Sins and that he can wipe off his stains only by means of "Belief in Christ". Thus according to Christians the belief in Christ saves them from entering into *Jahannum*."

Consequently the Muslim Orthodoxy thought why shall they be left behind. Hence originated the idea that our Rasool (peace be upon him) shall intercede and save us from entering into *Jahannum* on the day of judgment.

This doctrine of *shafaat* is totally un-Quranic. The Quran loudly proclaims:

"Then guard yourself against the day when one shall not avail another; nor shall شفاعت intercession be accepted for her; non shall compensation be taken from her; non shall any body be helped (from outside). (2:48)."

On the other hand some of our orthodoxy try to support their view point by quoting verse (2:255). which is as follows:

"All things in the heavens and the earth belong to him. Who is there who can intercede in His presence; except as He permits."

From the above they conclude that intercession can be allowed by Allah's leave and that the Rasool (peace be upon him) shall intercede by Allah`s permission on the day of judgment. Primarily it is a poor argument which goes against Alla`s law of Requital. The holy Quran cannot make two contradictory statements. On the other hand, turning towards the verse prior to it clarifies the issue when it is said:

"O You who believe ! spend out of (the bounties) We have provided for you before the day comes when no bargainer (shall avail); nor friendship; nor (شفاعت) intercession. And the disbelieves are the wrong doers." (2:155).

The holy Quran loudly proclaims:-

"No soul earns (evil) but against itself; Nor does a bearer of burden bears the burden of another." (6:165)

The holy Quran does not make any distinction between believers and non-believers in this regard. Thus a far as the punishment of entry in the *Jahannum* is concerned; it shall be the same for all sinners whether Muslims or Non-Muslims.

Dr. Syed-Abdul Wadood

PLEASE BE APPRISED OF INCREASE IN SUBSCRIPTION
OF THE MAGAZINE FROM JANUARY 1997

HUMAN RELATIONSHIP IN ISLAM

BY

Dr.Mir Mustafa Hussain

[A Chapter from the Book titled " The Holy Quran and our Daily life]written by Dr. Mir Mustafa Hussain - Available from Idara Tolu-e-Islam as well- Editor

Human Relationship

When people meet each other; they express and exchange good wishes for each other. They also wish for mutual prosperity. Such an expression is made in specific words e.g. assalam-u-alaikum (peace be upon you). Whenever a person receives life-giving help; he must repay him in the form of message and material of still better quality than what he had received from the other side. If circumstances do not permit him for returning in better form; one should repay at least the same what he had received from the other side (4:86).

Privacy and Mutual Visits

Whenever one enters his own house or that of somebody else; the eternal and the inmates have to wish each other; say assalam-u-alaikum and receive the same expression of good wishes and exchange greetings by using pleasant words. This is inclusive of blessing for life and property (24:61). One should not enter others; house without permission (24:27_29). One entry with permission; one should express the best wishes in most pleasing manner. If he is asked for excuse; he should return forthwith. Unwanted entry is not desirable; and returning this way will have chasteness for himself (24:28).

Privacy is so much important that the Quran instructs about it specifically. Privacy should be guarded properly and kept up adequately. If it is seen that nobody is present in a house one should not enter it. In case of stores; godowns; stock-house; etc. Which are not used as a household; and where one's belongings are also kept; there is no harm in free entry; the intention with which one enters such places in within the knowledge of Allah whether it is revealed or concealed (24:27_29). Entry in others` house with permission is the best kind of attribute in one's own interest and this way he upholds the best principle and orderliness for himself as well as for

the society. Preservation of such values and practicing them in daily life be for one's own betterment.

Human treatment

One should treat one's parents with utmost respect. One's relatives; neighbourers; orphans; needy persons; those stand on the way; and all those who are coworkers and subordinates shall be treated with gentlemanliness. Allah never likes proud and boastful persons (4:36). While expending good treatment to all those mentioned above; one should not desire for any returns; even thanks from them (76:9). One should not be crude or harsh to the people (31:18).

Cooperation

Man is in fact a social being. None in this world can do each and every thing himself and therefore one has to take help from of welfare for humanity one should cooperate with others. At the same time he should restrain himself from joining with those who plan for creating disaster and causing destruction to mankind (5:2).

Promises - Fulfillment

Promise is of great significance in daily life. When a promise is made; it should be kept up and acted upon accordingly. While making a promise one has to be very thoughtful and careful. When a particular promise is made; it is a commitment which has to be fulfilled; in the event of deviation from it; the integrity of the person is adversely affected. If one fails to fulfil his promise; his integrity becomes doubtful and he gets bad name in the society. One will be accounted for every commitment he had made (17:34). In following the Divine laws also, people have to be committed to themselves; and this commitment is the foremost demand of conviction; and this has to fulfilled (5:1). Whenever one makes high claims orally but does not translate them into practice; one's attitude becomes scornful according to the Divine laws. Concordance in talk and action is a proof of one's imam (belief) (61:2_3). A person is fully accountable for the contradictions in his talk and action.

Etiquette

While sitting in an assembly in an assembly if people are asked to leave adequate inter-space; they should act upon accordingly and should keep themselves away from each other immediately without making a fuss of it. This attitude itself speaks of manners. When the gathering is informed that the session is over and they are asked to rise up; they should act accordingly. Apparently such things appear minor but carry great significance for one's etiquette; their status will be elevated (58:11). In gatherings (or elsewhere); one should not misbehave and misbehavior is an utter unmannerliness in any human society.

Momineen (Believers) were instructed not to enter the Prophet's (S) and house until and unless they were permitted and called inside: the Prophet(S) and his privacy should not be disturbed.
Further instructions were given to the persons who used to visit the Prophet(S) that whenever they were invited for meal; they should not come before time keeping themselves waiting till the meals were served. On finishing the food they were advised to leave the Prophet's(S) residence avoiding stay which would have caused the Prophet(S) inconvenience even though out of his decency and courtesy he might not have asked them to leave (33:53).

The above Quranic expressions (in detail) indicated the state of the society the Prophet(S) had when he was bestowed with prophethood. The cultural level of the Arab society was so low that people of those days were made to learn even the etiquette of daily life. Subsequently; due to education and training given by the Prophet(S); the Arabs those days were not only able to bring about reforms and elegance in the civilization of the Roman; Iranian; and Egyptian empires but also made the European nations to learn their manners. Despite having such teachings and guidance available in the Quran; we have reverted to the pre-Quranic period in handling most of our individual and social affairs.{X;p.145)

Envy

To be envious of others is a mentality to be condemned. It is one of the worst attitudes of people. By kindness and grace of the Almighty; blessings are showered on people (Believers). On account of this bounty the Unbelievers become envious of the Believers (4:54).
Showering of blessings was not due to any favour to a particular category of people but it was the natural outcome of following the right path of the Divine guidance. Nature's bounties have been bestowed upon the entire mankind in the form of Divine guidance and those who had followed it; got the benefits in this worldly life; and a guarantee of Heaven in the life Hereafter (2:201).

Backbite

Backbiting is one of the most undesirable habits in man. From the point of view of human relationship too; it is highly unfair to speak ill of each other. Mischief Mongers take advantage from this and try to create differences and enmity among people. One has to be very careful in this respect this habit spoils fair relations of persons. Backbiting is similar to that of eating flesh from the dead body of one's own brother (49:12).

Nicknaming

Sometimes differences arise among persons over minor matters and feelings are hurt. The wounded emotions are expressed in a very undesirable language. One starts making fun of another and tries to make his opponent nervous. Such things happen among men as well as women. Such differences have to be sorted out amicably and in a decent manner. Once a person has resolved to follow right path and exhibit ideal character; it is not fair on his part to deviate from it; and to start nicknaming others. If anybody has done so; he has to repent. He should give up this practice immediately (49:11).

Laughing at Others

People have been warned against the habit of making fun of others or laughing at others. They should neither defame others nor be sarcastic to each other; whether this is between individuals; parties and groups; or nations. While belittling others; one has to think that the other person may be better than he himself. Such persons who do not repent on their act of this kind and do not give up this habit; they are the violators of the Divine laws (49:11).

Defamation

Talking ill of others with a purpose of its publicity is the most undesirable activity in society. Views can be expressed only when an injustice is done to an individual. The intention of such a publicity is in the knowledge of the Almighty(4:148). Those who give up their previous ill-attitude and conduct themselves decently; their earlier mistakes should not be publicised. Allah is aware of everything and that with what intention publicity has been made. So far as the useful talk is concerned; publicity is desirable from social and moral points of view.

Suspicion and Doubt

In one's life sometimes differences with others may arise on certain matters and these have to be sorted out carefully and resolved in a wise and peaceful manner. One should keep himself away from suspecting others unnecessarily as suspicion result in enmity of both and yields dangerous consequence. Whenever such a situation develops mischievous persons or miscreants take advantage in their favour and try to create problems for both the conflicting parties. A few type of suspicions are sin. One should be so much hateful to suspicion that as if he is eating flesh from the dead body of his own brother (49:12).

Scoff ad Deen

It was mentioned earlier that deen especially Islam is a Divine complete code of life given for the progress; peace; and welfare of mankind. One can get the benefit out of it only when he understands the principles underlying this system and adopts

them in his daily life. On the other hand; those who do not seriously take matters related to deen; reject its laws and principles; and scoff at it; one should not even sit in such company leaving aside having friendship with them. When a person moves with such persons who scoff at deen; he is also treated as one of them(4:140). Persons who do not respect their own religious orators and treat human life as children's play; they do not deserve to have company of true Believers. Deen is not such a thing which is to be scoffed at(6:70). They should be left with their attitude which itself will teach them lesson ultimately. At the same time the Quranic teachings should be placed before them as one should not be deprived of receiving knowledge of its high ideals. It is altogether a different matter that on account of one's own misdeeds; nothing except the Almighty's grace can save him from the awaited disaster.

Anger

Whenever a persons gets angry and expresses his anger in the from of harsh words or wild behaviour; the state of his mind becomes abnormal and he acts in such an unpleasant manner hat he himself repents when his anger subsides. Therefore one should not get violent subdued by passions. The characteristic feature of momineen has been described such that whenever they have to face an adverse situation they restrain themselves from anger and forgive others (3:135). They ignore if an adverse treatment is meted out from others that would cause anger. Their objective is to maintain balance between their personality and the society. Such an attitude is very much valued by the Divine order.

If any mistake is committed by them; or if they have gone beyond limits prescribed by Divine laws they should realise and correct themselves accordingly. This is how they protect themselves from the adverse effects of their erroneous acs.

Forgiveness

In a society; a person commits mistake unintentionally and out of ignorance. Subsequently on its realisation he repents and mends himself. If the society thinks that on forgiving him; the person will not repeat the mistake; he should be forgiven. He should not be deprived of getting protection and benefits from the Divine order. This can be used as a fundamental principle; and this is how the Divine laws are described openly and clearly so that the pathway of people who commit crimes (intentionally) becomes distinct from that of those who go wrong by their ignorance or commit mistakes unintentionally and subsequently correct themselves and take the right path (6:54).

When a person troubles others deliberately and does not restrain himself from such acts even after making him conscious of his misdeeds; he will be punished for this sort of his mischief and no excuse be extended to him (42:42).

Self Correction

Whenever a person proposes to correct others he should give priority to self correction (2.44). Such correction is not restricted to the individual himself but extends to all his dependents and thus they are also saved from the disastrous consequences of adopting a wrong path (66:6). One should therefore see that his family members are also corrected to behave well among themselves as well as with others.

Self correction should not be momentary to be left at a particular point of time rather it is adopted throughout one's life.
Allah alone knows how far one is following the Divine laws which help man to grow and develop his potentials and to remove obstacles coming in the way of his progress. The criterion to judge whether one's capabilities are growing and developing is the law laid in the Quran alone and not the standards set by people themselves (53:32).

Attributing Piety to Oneself

People attribute purity and piety to themselves. Allah knows best who guards himself against evils and follows the Divine laws most. These laws are fully aware of the human weaknesses. One should know the factors which are responsible for the growth and development of the human "self" and also those which check or retard is development. And this is the Divine criterion which should be applied to judge as to how far an individual has followed these laws (53:32). That person is regarded as successful who has developed his "self" and thereby has reached the goal (91:9).

Munafiqat (Hypocrisy)

Hypocrisy is the worst quality of man. Hypocrites talk something which is entirely different from what they have in their mind (3:166). The Quran has given certain categories of individuals (2:177); examples are given below.

i) Momin: In order to become a momin one has to accept fundamental fact which are:

a) Imam in Allah; and His prophet Mohammed(S)
b) Imam in Day of Judgments; the law of mukafat; and the life Hereafter
c) Imam in the Anbiya (Prophets) [XVIII; p.25(G)]
d) Imam in all the revealed Books; and
e) Iman in the malaika.

Some scholars of Islam have explained about the qualities of a momin that he is "One who stands guarantee for peace; upon whom one can depend; rely; and then

rest at peace; one who guarantees international peace." [XVIII;p.25(G)]. Momin is one who accepts the truth (Islam) from the depth of his heart and expresses the same verbally. This class includes persons who accept the Quranic laws; remain truthful; and lead their life accordingly. While describing the qualities of momeneen; the Quran says that whenever they come to know that they have committed a wrong; they do not persist willfully on their wrong action rather amend themselves and follow the path shown by Allah who is the Protector (3:134).

ii) Kafir: There is a misunderstanding among people with regard to the term Kafir. It is; therefor: necessary to elaborate the meaning of this term Kafir so that the misunderstanding may be erased from the minds of the people.

"...According to the Quran; the term Kafir is not an abuse; but it is a statement of fact. For example if a party is formed; everyone who joints it; is called a "member" and those who do not join are called "non-members". Accordingly those who accept Islam are called Muslims and those who do not are non-Muslims. Every non-Muslims is not a Kafir in the real sense of the term. Kafir is a person to whom teachings of the Quran are conveyed and explained and after listening to them he rejects them (47:32). Others may be listed amongst those who have not been guided to the truth. Then there are various categories of Kafireen (plural of Kafir) e.g. those who not only refuse to accept but also hinder others from accepting; sometimes by force. There are a number of reasons as to why does a person; even after listening to this message; refuses to accept:

a) Some do it on account of stubbornness; obstinacy; jealous or grudge (2:90).
b) Generally people do it because they feel haughty; rebellious; have inflated ego (35:42;27:14).

c) Some people do not accept because of false prestige; and once they say no; they would stick to it come what may (7:101.....;
and when one goes on repeating the denial he gets hardened in this attitude.

d) Once they get into this category; then their false prestige forces them to stop others; because they do not want to be left alone (47:32). For this they devise the strategy of advising other people not to listen to the Quran and overdo the situation when Quran was recited to them by making noise (41:26).

These are the people who will not have faith and be convinced even if one makes them aware of the dire consequences. This is because they have lost the capability of understanding (7:179).....

The definition of Kufr; however; is not confined to the denial of the truth; it also includes concealment; or withholding of subsistence; which Allah has created

for the good of the good of all mankind and which He wants to be freely available to all [XIII;pp.39_40(G)]

The above explanation of the term kafir indicates that such a person (kafir) is one who rejects the truth by his heart and also his talk; and opposes it publicly. He does not keep people in dark in this regard.

iii) Munafiqueen (singular munafiq): Though the word hypocrite cannot express real meaning of munafiq used by the Quran; yet it helps to get closer to the understanding of this term. Such persons keep something in their mind and speak something other than that: and this way they not only deceive others but also deceive themselves (2:8_9). Whatever such persons do they do it just for show (4:142). They are the persons who; "...before becoming member of a society or system; also keep open the exit route." [XIII;p.52(G) This is the reason why the Quran regards a munafiq worse than a kafir; and of the jahannam (Hell)(4:145). The Book has also regarded munafiqat worse than a kafir; and says that such persons (munafiqeen) will surely be in the lowest depth (hypocrisy) as a disease of mind (2:10). Such a disease of mind does not stop but it gets increased day-by-day. Treatment of this disease is nothing except that he should openly confess about it; he should feel ashamed of it; stick on his promise firmly; and keep on correcting himself.

The Quran has made a reference to certain persons whose sole object of life is to seed for worldly gains for which they talk in a persuasive and charming way. They repeatedly swear by Allah to authenticate their words but inside their heart there will be enmity towards the Divine system. when such persons come into power; they will strive to spread chaos in the land; destroy crop fields and economic system and the social order; they will always keep in view their own personal benefits without bothering at all to see what is happening to the country. Allah never likes chaos in the land; destroy crop fields and human lives; and they will not allow balance to remain in the economic system and the social order; they will always keep in view their own personal benefits without bothering at all to see what is happening to the country. Allah never likes chaos and destruction spreading on earth (2:204_05).

Spreading Rumors

One should not spread rumors as it is a very dangerous act. Whenever something related to the people is heard; it should be referred to the responsible authorities so that they may investigate people and reach a conclusion to adopt required course of action. Otherwise people may get unnecessarily panicky and knowingly or unknowingly create problems. People have been warned against such spreading news; it should neither be trusted nor acted upon immediately. Its

truthfulness has to be ascertained first; otherwise one's action in this direction may do harm to the people and one may repent on it afterwards (49:6).

Yet at another place it has been stated that whenever any evil words are heard about anyone; the first reaction of the person who hears it should be to call it an allegation. In surah Al_Noor (Number 24); the Quran has referred to a case in which some mischievous persons had spread an allegation against a pious; innocent; and respectable lady; and this rumor got spread all over. Allah took a serious note of it and stated that when they have heard about it; their attitude should have been that of non-suspicious nature saying that it a appeared to be a false allegation (24:12). Those who had heard the rumor had not sensed the seriousness of the matter; their reaction should have been to regard it as inappropriate on their part to comment on this matter (24:15_16).

Mutual Consolation

Mutual consultation plays an important role in finding out right solution for any problem. Based on such consultation a fair and just decision could be taken. In this context; the quality of Muslims has been described such that they conduct their affairs by mutual consultations and settle all their matters in the light of Divine law; which show their followers right path; and guarantee for their success and honourable life (42:38). The Prophet(S) was also advised to consult his people in matters and then to take firm decisions trusting in Allah (taking action in the light of Divine laws); Allah loves those who place trust in Him. [(3:159)-I;pp.164_65]

Mutual consultation should be in those matters which are related to the welfare of mankind and not for those concerned with the disaster and destruction of humanity. Mutual consultations should not be against the Divine order which yields exact result of every performance; its grip is very strong; and it does not spare any culprit (5:2;58:9).

Consultation have to be made with persons who have adequate experience and full knowledge of matters; such persons are noble; they have wisdom; possess good character; and follow the Divine path. At the same time people who offer an advice should have personal knowledge of matter under question; and where one does not know about it; he should not offer any suggestion in the matter. Faculties (the heart; the eye; and the ear) given by the Almighty will be accountable for a particular matter about which one has taken action (17:36). Mutual consultation will be possible only in case when one maintains good relations with others; particularly with those persons who are involved in consultation.

BIBLIOGRAPHY

I. Ali, A.Y 1934 The Glorious Quran Dar-Ul-Fikr, Beirut.
X Parwez, G.A. 1978 Qurni Qawaneen (Urdu) Idara Tolu-e-Islam Lahore.
XVIII Tolu-e-Islam Trust 1990 Exposition of the Holy Quran:1 (an English Rendering of the Urdu Presentation " Mufhoom-ul-Quran" by late Allama Ghulam Ahmed Parwez) Tolu-e-Islam Trust, Lahore.

ANNUAL CONVENTION TOLU-E-ISLAM

Annual Convention of Tolu-e-Islam is being held on October 18, 1996

AT

25-B, GULBERG II, LAHORE

Morning Session	09.30 To 12.00 Hrs.	For General Public
Afternoon Session	15.00 To 18.30 Hrs	For Students

Audience shall be asked to raise questions regarding National Problems (public) and difficulties in adopting Islamic Life (Students) and answers based on the teachings of Quran shall be given by Tolu-e-Islam.
Questions received up to Oct. 10, 1996 shall be included in the dialogue.

All those Interested to listen peacefully are welcome

Chairman
Idara Tolu-e-Islam

اعزازی

ہمارے بہت سے کرمفرماؤں نے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کے نام پرچے جاری کروائے تھے جو دسمبر 1996ء تک جاری رہیں گے۔ ان پرچوں کی فہرست اگر ان کے پاس موجود نہ ہو تو ادارہ سے طلب فرمالیں لیکن یکم دسمبر 96ء سے پہلے ہمیں اتنا ضرور بتادیں کہ ان میں سے کون سے پرچے بند کرنا ہوں گے اور کون سے نئے جاری کئے جائیں گے۔ یکم دسمبر 96ء تک جواب موصول نہ ہوا تو موجودہ صورتحال جاری رکھی جائے گی۔

مدیر مسئول